حضرت مسیح علیہ السلام

کی

صلیب سے نجات

ترجمہ

از قاضی محمد نذیر
ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف

الناشر

نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ

ربوہ (پاکستان)

تعارف

کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ربوہ، لنڈن کانفرنس سے واپسی پر محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کتاب "DELIVERANCE FROM THE CROSS" "صلیب سے نجات" میرے پاس لائے اور اس کا ترجمہ اردو زبان میں شائع کرنے کی تحریک کی، مَیں نے اس کتاب کو مطالعہ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے سربستہ راز سے روشن دلائل کے ساتھ پردہ اُٹھانے والی پاکر اس کی اشاعت کی حامی بھر لی اور باوجود صحت کی کمزوری کے خود اس کا ترجمہ اُردو زبان میں کیا اور ترجمہ کی نظر ثانی کے لیے اپنے محترم دوست صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ ربوہ سے درخواست کی، جنہوں نے ازراہ تلطف اپنا بیش قیمت وقت میرے ساتھ صرف کرکے اس ترجمہ کی نظر ثانی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

اب یہ ترجمہ "حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب سے نجات" کے نام سے افادۂ عام کے لیے طبع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے سعید روحوں اور متلاشیان حق و صداقت کے لیے بابرکت بنائے، اللّٰھم آمین۔

(قاضی) محمد نذیر
ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ۔ پاکستان
ماہ نومبر ۱۹۷۸ء

پیش لفظ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، منصب موت، نئی زندگی، رفع اور آمدِ ثانی سب دو ہزار سال سے ایک سربستہ راز ہیں۔

آپ کے زمانہ کے یہود نے چند کو مستثنیٰ کر کے آپ کی ولادت کو ناجائز قرار دیا اور آپ کو جھوٹا مدعی قرار دیکر رد کر دیا۔ ان کا یہ یقین تھا کہ انہوں نے یسوع کو صلیب پہ مار دیا ہے اور صلیبی موت نے اسے ملعون ثابت کر کے اس کے جھوٹا ہونے پر مہر لگا دی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ابھی تک پیشگوئیوں کے موعود مسیح کی آمد کے منتظر ہیں یہودکے مطابق ہے۔

پرانے کلیسا کا موقف ایک لمبے عرصہ سے یہ چلا آ رہا ہے کہ یسوع مسیح صرف بائیبل کے محاورہ کے مطابق ہی خدا کا بیٹا نہ تھا بلکہ وہ خدا تھا یعنی ایسا بیٹا تھا جو تثلیث کی دوسری اقنوم (شخصیت) تھا اور اس نے صلیبی موت انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہونے کے لیے پائی۔ اس طرح وہ ان کی نجات کا واحد ذریعہ بنا۔ وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح صلیبی موت پانے کے بعد تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھے اور پھر اپنے جسمانی وجود میں اِدھر اُدھر پھرتے رہے اور اپنے بعض شاگردوں کو ملے اور پھر اسی طبعی جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے اور اب خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور آخری زمانہ میں زمین پر اتر آئیں گے اور لوگوں کی عدالت کریں گے۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تھے اور بنی اسرائیل کے لیے وہ ایک نبی تھے۔ ہماری تحقیق کے مطابق انہیں صلیب پر لٹکایا گیا، مگر موت واقع ہونے سے پہلے وہ صلیب سے اُتار لیے گئے اور صلیبی موت سے بچا لیے گئے۔ اس کے بعد وہ اپنے شاگردوں سے ملتے رہے اور بعد ازاں یہودیہ سے سفر پر روانہ ہو گئے تا اپنا پیغام بنی اسرائیل کو پہنچائیں قرآن مجید ۲۳ : ۵۱ سے ظاہر ہے

آپ نے لمبی عمر پا کر ایک پُرفضا سطح مرتفع پر جس میں چشمے بہ رہے تھے رہتے ہوئے وفات پائی (۲۳ / ۵۱)۔ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح کی آمدِ ثانی کے منتظر ہیں تاکہ وہ آ کر اسلام کا احیاء کر کے بدی کو دور کریں اور نیکیوں کو قائم کریں اور اس خیال کو رد کریں کہ انہوں نے صلیب پر جان دی تھی۔

انیسویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں یہ الٰہی شہادت تواتر سے ملتی چلی آ رہی ہے جو مسیح کے بارہ میں سربستہ راز کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال رہی ہے جس کی بنا پر ہم یقین کیساتھ اس راز کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ یہ کتاب جو ہم پیش کر رہے ہیں ایسی ہی کوشش پر مشتمل ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ یہ ان متلاشیانِ حق کے غور و فکر کرنے کے لیئے محرک اور ممد ثابت ہو گی جو ابدی هلا قتوں کی قدر کرتے ہیں۔

ظفراللہ خاں لنڈن
مارچ ۱۹۷۸ء

نام کتاب ------ حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب سے نجات

مصنف ------ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سابق چیف جسٹس عالمی عدالت انصاف ہیگ

مترجم ------ جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف

طابع ------ سید عبدالحی ایم۔اے

ناشر ------ نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

مطبع ------ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

دسمبر ۱۹۷۸ء

فہرست ابواب

باب اول	ولادت یسوع مسیحؑ	صفحہ ۷
باب دوم	مسیحؑ کا منصب	۱۷
باب سوم	یسوع مسیحؑ کی موت	۳۷
باب چہارم	مقدس کفن	۵۹
باب پنجم	حیات ثانی	۸۱
باب ششم	صعود مسیحؑ	۹۰
باب ہفتم	یسوع مسیحؑ کی آمد ثانی	۹۸
باب ہشتم	واقعہ صلیب کے بعد	۱۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

باب اوّل

ولادتِ یسوع مسیحؑ

یہودیوں نے بنیادی طور پر یسوع مسیحؑ کا انکار کر دیا۔ کیونکہ ان کے گمان ولادت ناجائز تھی، قرآن مجید یہودیوں کے اس بہتان کو ان کے بڑے گناہوں میں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے :۔

وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰی مَرۡیَمَ بُهۡتَانًا عَظِیۡمًا (نساء ۱۵۵)

"اور ان کا مریم کے خلاف ایک بڑا بہتان باندھنا"

نیز

قَالُوۡا یٰمَرۡیَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَیۡـًٔا فَرِیًّا ۝ یٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا کَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا کَانَتۡ اُمُّكِ بَغِیًّا ۝ (مریم: ۲۸، ۲۹)

انہوں (یہودیوں) نے کہا، اے مریم تو ایک مکروہ اور ناجائز شے لائی ہے۔ تیرا باپ بُرا نہ تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔

اناجیل کا حضرت یسوع مسیحؑ کے بارے میں یہ بیان ہے کہ ایک فرشتہ ظاہر ہوا اور اس نے اسے خوشخبری دی کہ وہ ایک لڑکا جنے گی، چنانچہ انجیل

"خدا کی طرف سے جبرئیل فرشتہ گلیل کے ایک شہر جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک

یوسف نام سے ہو چکی ہوئی تھی اس کنواری کا نام مریم تھا فرشتہ نے مریم کے پاس اندر آ کر کہا، سلام تجھ پر جس پر فضل ہوا ہے۔ وہ اس کلام سے گھبرا گئی اور سوچنے لگی کیسا سلام ہے؟ فرشتہ نے اس سے کہا اے مریم! خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے، اور دیکھ تو حاملہ ہو گی اور تیرے بیٹا ہو گا اس کا نام یسوع رکھنا وہ بزرگ ہو گا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دیگا۔ وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کریگا اس کی بادشاہت کا آخر نہ ہو گا۔ مریم نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہو گا، جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی؟ اور فرشتے نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہو گا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی، اس لیے وہ جو تجھ سے پیدا ہو گا، خدا کا بیٹا کہلائے گا"

(لوقا ۱: ۲۶-۳۵)

قرآن مجید اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ فرشتہ کی بشارت کے مطابق جو خداوند کے حکم سے مریم کو دی گئی تھی۔ مریم کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ پیدا ہوئے چنانچہ قرآن مجید میں ہے :۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُكِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡهُ ۖۗ اسۡمُهُ الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡهًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ۙ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَهۡدِ وَکَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِكِ اللّٰہُ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۝ وَیُعَلِّمُهُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَالتَّوۡرٰۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ۚ وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ (آل عمران ۴۶ تا ۴۸)

"یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا خدا نے تجھے برگزیدہ کیا ہے اور تجھے پاک کیا ہے اور تجھے (تیرے زمانہ) کی تمام عورتوں نے چن لیا ہے اے مریم! خلوص سے اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر اور عبادت کرنے والوں کے ساتھ صرف اسی کی عبادت کر، خدا تعالیٰ اپنے الفاظ سے تجھے ایک بشارت دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں وجاہت والا ہوگا اور ان لوگوں میں سے ہوگا جو خدا کے مقرب ہیں۔ وہ لوگوں کو بچپن میں بھی ہدایت دیگا اور بڑی عمر کا ہوکر بھی وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں، خدا نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا" تو وہ ہو جاتا ہے۔ وہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا"

قرآن مجید لوقا کے بیان کی تکمیل کرتے ہوئے کہتا ہے:-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَأَجَاءَهَا

الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا ۝ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ (مریم ۱۶ تا ۲۶)

"کتاب کے مطابق مریم کا حال پڑھ جب وہ اپنے گھر والوں سے مشرقی جگہ میں علیحدہ ہوگئی اور ان کے سامنے پردہ ڈال لیا۔ تب ہم نے اپنا فرشتہ اس کی طرف بھیجا اور وہ اس کے سامنے کامل آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا جسے دیکھ کر وہ پکاری۔ میں تجھ سے الرحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم خدا سے کوئی ڈرنے والے آدمی ہو، فرشتے نے (یقین دلاتے ہوئے) کہا میں تو صرف تیرے خداوند کا پیغامبر ہوں، تاکہ میں تجھے ایک مقدس لڑکے کی بشارت دوں۔ اس (مریم) نے حیران ہوکر کہا، میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ مجھے کسی مرد نے چھوا نہیں اور میں بدکار بھی نہیں؟ فرشتے نے کہا بات اسی طرح ہے، لیکن تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور تا ہم اسے لوگوں کے لیے نشان اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں، سو مریم حاملہ ہوگئی اور اس حمل کے ساتھ وہ دُور کی جگہ چلی گئی، دردِ زہ کا وقت اسے ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا اپنی اس حالت کو دیکھ کر کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی، اس کے نیچے سے اسے اس (فرشتہ) نے پکارا غم نہ کر کیونکہ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر رکھا ہے اور کھجور کے تنے کو ہلا وہ تجھ پر پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا، اس طرح کھا اور

پی اور اپنی آنکھ ٹھنڈی کر (یعنی اطمینان پا)۔ اگر تو کسی بشر کو آتا دیکھے
تو کہدے میں نے خداوند کے لیے روزہ کی نذر مانی ہوئی ہے اس لیے
میں آج کسی سے کلام نہیں کروں گی "

اس طرح جہاں تک صرف حضرت یسوع مسیح کی پیدائش کے واقعہ کا تعلق ہے۔
قرآن کریم اور اناجیل دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یسوع مسیح کی پیدائش ایک مقدس واقعہ
ہے جو خدائی حکم سے وقوع میں آیا۔ یہ خدائی فیصلہ دنیا کے لیے رحمت اور برکت کے لیے ہوا
تھا اس واقعہ کی تفصیل میں قرآن و انجیل کے کئی فقروں میں جاذب توجہ مشابہتیں موجود
ہیں، مثال کے طور پر یہ کہ کر کہ :-

"سلام ہو تجھ پر بڑا فضل ہوا ہے۔ رب تیرے ساتھ ہے۔ تو عورتوں
کے درمیان بابرکت ہے اور قرآن تصدیق کرتا ہے کہ فرشتہ نے مریم سے
کہا کہ خدا نے تجھے برگزیدہ کیا ہے پاک کیا ہے اور تیرے زمانہ کی تمام
عورتوں سے تجھے چن لیا ہے۔ پھر اناجیل کا بیان فرشتے کے خبر دینے پر
مریم کا طبعی ردّ عمل یہ بیان کرتا ہے کہ مریم نے خبر سننے پر کہا۔ یہ کیسے
ہوگا اس لیے کہ میں تو کسی مرد کو نہیں جانتی اور قرآن کا بیان ہے
مریم نے کہا۔

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ (مریم ۲۰)
اے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں۔
اناجیل میں مریم کی اس بات کا جواب یہ مذکور ہے، کہ خدا کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں
(لوقا ۱: ۳۷) اور قرآن میں جواب کے الفاظ یہ ہیں :-

قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ

کہ بات ایسی ہی ہے، لیکن تیرا رب کہتا ہے میرے لیے یہ آسان ہے۔
خدا کا امر ایسا ہی ہے وہ جسے چاہے پیدا کر دیتا ہے۔
اناجیل تصدیق کرتی ہیں کہ اس بچہ کو جس کی پیدائش کی پیشگوئی کی گئی تھی کہ اسے اس کے

باپ داؤد کا تخت دیا جائے گا۔ وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک حکومت کرے گا اور قرآن
تصدیق کرتا ہے کہ خدا اسے (مسیح کو) کتاب و حکمت اور تورات و انجیل سکھائے گا اور اسے
بنی اسرائیل کے لیے رسول بنا کر بھیجے گا۔ اس طرح اناجیل اور قرآن دونوں کے بیانات
حضرت مسیح کا منصب یعقوب کے گھرانے سے متعلق قرار دیتے ہیں گو اناجیل یہ بیانات
بیان کرتی ہیں کہ وہ خدا کا فرزند کہلائے گا۔ قرآن مجید میں حضرت مسیح کی ولادت کے
واقعہ کے بیان میں اس بات کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔ جس بات میں صرف بظاہر ایک اختلاف
نظر آتا ہے جیسا کہ آگے چل کر آپ معلوم کر لیں گے۔

یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش کا طریق غیر معمولی ہے اور اس مفہوم میں معجزہ
بھی ہے کہ اس سے مقصود خدائی نشان دکھانا تھا۔ مگر یہ پیدائش ما فوق الطبیعات
نہیں تھی بلکہ صرف استثنائی صورت کی حامل تھی۔ مشہور (GYNAECOLOGISTS) ماہرین
جنسیات کے مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ باپ کے بغیر پیدائش ممکن ہے اور
موجودہ زمانہ تک ایسے کئی واقعات درحقیقت وقوع میں آئے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ ولادت کس بات کی
علامات میں سے تھی؟ سو واضح ہو کہ بنی اسرائیل خدا کی برگزیدہ قوم تھی اور خدا تعالیٰ نے
انہیں یقین دلایا تھا۔

"سو اب اگر تم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں
سے تم ہی میری خاص ملکیت ٹھہرو گے اور تم میرے کاہنوں کی ایک
مملکت اور مقدس قوم ہو گے۔" (خروج ۱۹ : ۴-۵)

قرآن کریم بھی اس امر کا مصدق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَ
اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (البقرہ: ۴۸)

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی اور میں نے
تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔

نیز فرمایا:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ (البقرہ ۴۱)

اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا، میں پورا کروں گا وہ عہد جو میں نے تم سے کیا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو [illegible]

لیکن جب تھوڑے عرصہ کے لیے موسیٰ علیہ السلام ان سے الگ ہوئے تو انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ بائیبل نے بنی اسرائیل کے گناہوں کی واضح تصویر کھینچی ہے اور ان کے بار بار اس عہد کو توڑنے کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے خدا سے کیا تھا اور متعدد مرتبہ ان کے مقام عزت سے گرنے اور ہر دفعہ خدا تعالیٰ کے انہیں معاف کر دینے اور اس بات کی تنبیہہ کرنے کا ذکر کیا ہے کہ وہ سیدھی راہ اختیار کریں اور ان سب نعمتوں کے لیے خدا کے شکر گزار ہوں جو اس نے انہیں دی۔

قرآن مجید میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خود انہیں یاد دہانی کرائی کہ

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم ۶-۷)

خدا کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں برا عذاب پہنچاتے تھے وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے اور ان میں تمہارے خدا کی طرف سے سخت آزمائش تھی اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میری سزا بھی ضرور سخت ہے۔

بنی اسرائیل میں انبیاء کا ایک سلسلہ جاری تھا، لیکن وہ لوگ سخت گردن کش تھے اور انہوں نے بار بار نافرمانی کر کے اپنے آپ کو خدا کے غضب کا مورد بنایا وہ ان نبیوں کو قتل کرنے کی کوشش کرتے تھے جو ان کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ قرآن میں ان کے بڑے گناہوں میں سے کچھ بیان ہوئے ہیں، مثال کے طور پر ان کا نقض عہد، سبت کی بے حرمتی۔ خدا کی آیات کا انکار۔ نبیوں کو قتل کرنے کی سازش۔ حضرت مریم پر بہتان عظیم لگانے۔ سود لینے۔ لوگوں کے مال کو ناجائز طور سے کھانے کا ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو (النساء ۱۵۵-۱۶۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے زمانہ میں وہ روحانیت سے ایسے عاری ہو چکے تھے کہ ان میں کوئی ایک فرد بھی ایسا موجود نہ تھا جو خدا کی تقدیر میں حضرت مسیح کے باپ ہونے کی اہلیت رکھتا اس مسیح کی الوہیت کی اہلیت جس پر ایمان لا کر بنی اسرائیل خدا سے صلح کر کے خود کو اس کے غضب سے بچا سکتے تھے، حضرت مسیحؑ کی بن باپ ولادت کے ذریعہ انہیں متنبہ کر دیا گیا کہ اگر وہ مسیح علیہ السلام کا انکار کریں گے تو خدا تعالیٰ کی بادشاہت ان سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو دیدی جائے گی جو اس کا پھل لائے گی (متی ۲۱: ۴۳) اس کا مطلب یہ تھا کہ نبوت بنی اسرائیل کے گھرانے سے ایک دوسرے گھرانے میں منتقل کر دی جائے گی۔

یہ بات انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ایک عجیب تمثیل کے بیان کے ذریعہ پہنچا دی گئی، وہ تمثیل یوں ہے۔

"ایک شخص نے تاکستان لگا کر باغبانوں کو ٹھیکے پر دیا اور ایک بڑی مدت کے لیے پردیس چلا گیا اور پھل کے موسم میں اس نے ایک نوکر باغبانوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ تاکستان کے پھل کا حصہ اسے دیں، لیکن باغبانوں نے اس کو پیٹ کر خالی ہاتھ لوٹا دیا پھر اس نے ایک اور نوکر بھیجا۔ انہوں نے اس کو بھی مار پیٹ کر اور بے عزت کر کے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ پھر اس نے تیسرا بھیجا۔ انہوں نے اس کو بھی زخمی کر کے نکال دیا۔ اس پر

تاکستان کے مالک نے کہا کیا کروں؟ مَیں اپنے پیارے بیٹے کو بھیجوں گا، شائد اس کا لحاظ کریں، جب باغبانوں نے اسے دیکھا تو آپس میں صلاح کر کے کہا کہ یہی وارث ہے اسے قتل کر دیں کہ میراث ہماری ہو جائے۔ پس اس کو تاکستان سے باہر نکال کر قتل کیا۔ اب اب تاکستان کا مالک ان کے ساتھ کیا کرے گا؟ وہ آکر باغبانوں کو ہلاک کریگا اور تاکستان اوروں کو دیدیگا، انہوں نے یہ سنکر کہا "خدا نہ کرے"۔ اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا، پھر یہ کیا لکھا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا، جو کوئی اس پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔

(لوقا ۲۰: ۹-۱۶) (متی ۲۱: ۳۳-۴۱) (مرقس ۱۲: ۱-۹)

وہ لوگ جن کے سامنے حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ تمثیل پیش کی تھی حضرت مسیح کی تنبیہ کا مفہوم سمجھ گئے کہ اگر وہ آپ کا انکار کریں گے تو نبوت ملنے کی نعمت ان سے واپس لے لی جائے گی اور کسی اور قوم کو دیدی جائے گی، لیکن وہ یقین نہیں کرتے کہ ایسا ہو گا، سو انکا جواب یہ تھا کہ "خدا ایسا نہ کرے"۔ لیکن حضرت مسیح نے معاملہ کو یہیں تک نہیں رہنے دیا بلکہ آپ نے انہیں یاد دلایا۔

"پھر یہ کیا لکھا ہے کہ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا؛ جو کوئی اس پتھر پر گریگا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا لیکن جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالے گا"۔

(لوقا ۲۰: ۱۷-۱۸) (متی ۲۱: ۴۲-۴۴) (مرقس ۱۲: ۱۰-۱۱)

اس سے آگے یسوع مسیح کا قول (متی ۲۱: ۴۲تا۴۴) میں ہے۔

"یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لیے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو

جو اس کے پھل لانے دیدی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا، لیکن جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالے گا۔ جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے"۔

اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے تمثیل کے بیان پر ان کے ردعمل کو دیکھکر انہیں الہامی نوشتہ کی وہ پیشگوئی یاد دلائی کہ نبوت کی عمارت کے کونے کا پتھر (یعنی سب سے بڑا نبی) اسمعیل کے خاندان سے مبعوث ہو گا جس خاندان کی بنی اسرائیل تحقیر کرتے رہے ہیں اور اس طرح خود یسوع مسیح نے بھی پیشگوئی فرمائی کہ وہ نبی اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا، لیکن بنی اسرائیل نے نہ صرف یسوع مسیح کا انکار کیا بلکہ انہیں صلیب پر مارنے کی کوشش کی۔ اس طرح انہوں نے اپنی بدقسمتی پر مہر لگا دی اور نبوت کا دروازہ جو انسانوں پر بہت بڑی نعمت ہوتی ہے ان لوگوں پر بند کر دیا گیا اور اس طرح حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

پس حضرت مسیح علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا خدا کی طرف سے ایک علامت تھا کہ نبوت بنی اسرائیل کے خاندان سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے خاندان میں منتقل ہونے والی ہے۔

باب دوم

مسیحؑ کا منصب

یسوع مسیح بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے وہ خدا کا بیٹا کہلاتے تھے ، یہود و نصاریٰ کے مذہبی لٹریچر میں خدا کا بیٹا کے الفاظ بطور استعارہ عام طور پر استعمال ہوتے تھے اور ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں خدا کا بیٹا الوہیت کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہو، اناجیل اور ان سے ملحقہ خطوط میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یسوع مسیح نے ان الفاظ کو اپنی الوہیت یا خدائی ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا تھا البتہ خداوند کا لفظ یسوع مسیح کے لیے استعمال ہوا ہے ، لیکن اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ جو لوگ اس لفظ کو یسوع کے لیے استعمال کرتے تھے ان کی مراد یہ بتانا ہوتی تھی کہ وہ "خدا" تھا یہ لفظ صرف آقا کے ہم معنی استعمال ہوتا تھا۔

حضرت مسیح کے زمانہ کے لمبا عرصہ بعد "خدا کا بیٹا" سے "خدا" مراد لیا جانے لگا۔ اس طرح کہ بیٹا کے لفظ کے یہ معنی لیے جانے لگے کہ یسوع تثلیث کا دوسرا اقنوم ہے۔ تثلیث کا پورا تصور ہی یسوع مسیح کے افکار سے اجنبی تھا ، خدا کا بیٹا سے یسوع مسیح کی مراد صرف یہ ہوتی تھی کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ یعنی خدا کا رسول۔ مثلاً یسوع مسیح نے فرمایا :

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں "۔ (یوحنا ۱۷ : ۲)

"میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا ، جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے کیونکہ میں اپنی مرضی سے نہیں اپنے بھیجنے والے

کی مرضی چاہتا ہوں "۔ (یوحنا ۵ : ۳۰)

"میرے پاس جو گواہی ہے وہ یوحنا سے بڑی ہے کیونکہ جو کام باپ نے مجھے پورے کرنے کو دیئے یعنی یہی کام جو میں کرتا ہوں وہ میرے گواہ ہیں کہ باپ نے مجھے بھیجا ہے "۔ (یوحنا ۵ : ۳۶)

"اور باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اسی نے میری گواہی دی ہے "۔ (یوحنا ۵ : ۳۷)

"تم اس کلام کو اپنے دلوں میں قائم نہیں رکھتے ، کیونکہ جسے اس نے بھیجا ہے۔ اس کا یقین نہیں کرتے "۔ (یوحنا ۵ : ۳۹)

"جس نے مجھے بھیجا ہے وہ سچا ہے "۔ (یوحنا ۸ : ۲۶)

"اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت رکھتے اس لیے کہ میں خدا سے نکلا اور آیا ہوں کیونکہ میں آپ نہیں آیا بلکہ اسی نے مجھے بھیجا "۔ (یوحنا ۸ : ۴۲)

"کیونکہ میں آسمان سے اس لیے نہیں اترا ہوں کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کروں بلکہ اس لیے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں .... اور یہ باپ کی مرضی ہے جس نے مجھے بھیجا ہے "۔ (یوحنا ۶ - ۳۸ : ۴۰)

یسوع مسیح کے اوپر کے بیانات سے یہ واضح ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو ہمیشہ خدا کا بھیجا ہوا یعنی خدا کے رسول کے طور پر پیش کیا ہے ، اناجیل اور قرآن مجید کے مطابق یسوع مسیح کی پیدائش سے بھی پہلے ان کا کام خدائی ہدایت کے مطابق بطور ایک خدا کے رسول کے بیان ہوا ہے ، وہ فرشتہ جو حضرت مریمؑ پر ظاہر ہوا اور جس نے بتایا تھا کہ اس کے ہاں ایک لڑکا ہوگا جس کا نام وہ یسوع رکھے ، اسی نے یہ بھی بتایا تھا کہ خدا اسے اس کے باپ داوٗد کا تخت دیگا ، وہ یعقوب کے گھرانے پر حکومت کریگا۔ (لوقا ۱ - ۳۲ - ۳۳)

قرآن مجید اس بات کی تائید کرتا ہے کہ حضرت مریم سے کہا گیا تھا۔

يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا
إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۔ (آل عمران ۴۹۔۵۰)

کہ خدا مسیح کو کتاب وحکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔

یہ درست ہے کہ لوقا ۱: ۳۲ اور ۱: ۳۵ میں حضرت یسوع مسیح کو حق تعالیٰ کا فرزند اور خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، لیکن یہ الفاظ بائیبل کے محاورہ کے مطابق الوہیت یا خدائی میں حصہ دار ہونے کو ظاہر نہیں کرتے، چنانچہ زبور (۸۲ : ۶) میں ہم پڑھتے ہیں۔

"میں نے تو کہا تم الہ ہو اور حق تعالیٰ کے فرزند۔"

بائیبل میں بہت سے مقامات پر خدا کا بیٹا کے الفاظ نبیوں، مقدس لوگوں اور ایمان داروں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اس جگہ ان میں سے چند بطور نمونہ پیش ہیں۔

"اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے۔" (خروج ۴ : ۲۲)

"میں اسے (داؤد کو) اپنا پلوٹھا بناؤں گا اور دنیا کا شہنشاہ"

(زبور ۸۹ : ۲۷)

"وہ (سلیمان) میرا بیٹا ہوگا اور میں اس کا باپ ہونگا (۱۔تواریخ ۲۲: ۱۰)

"(خدا نے کہا) اب اے میرے بیٹے خداوند تیرے ساتھ رہے اور تو اقبال مند ہو اور خداوند اپنے خدا کا گھر بنا جیسا اس نے تیرے حق میں فرمایا۔"

(۱۔تواریخ ۲۲ : ۱۱)

"مبارک ہیں جو صلح کراتے ہیں وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔" (متی ۵: ۹)

"دشمن سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو۔" (متی ۵ : ۴۵)

"لیکن جتنوں نے اسے (یسوع مسیح) کو قبول کیا اس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا۔ یعنی انہیں جو اس کے نام پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے

پیدا ہوئے۔" (یوحنا ۱۔۱۲۔۱۳)

"جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ تم کو غلامی کی روح نہیں ملی جس سے پھر ڈر پیدا ہو بلکہ لے پالک ہونے کی روح ملی جس سے ہم ابا یعنی اے باپ کہہ کر پکارتے ہیں، روح خود ہماری روح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں تو وارث بھی ہیں یعنی خدا کے وارث اور مسیح کے ہم میراث۔ بشرطیکہ ہم اس کے ساتھ دکھ اٹھائیں، تاکہ اس کے ساتھ جلال بھی پائیں۔"

(رومیوں ۸: ۱۴۔۱۷)

"دیکھو باپ نے ہم سے کیسی محبت کی ہے کہ ہم خدا کے فرزند کہلاتے۔"

(یوحنا کا پہلا خط ۳: ۱)

ان سب اقتباسات سے زیادہ پُرمعنی خود یسوع مسیح کی تشریح ہے جو یہ ہے:۔

"تب یہود نے پھر اسے مارنے کے لیے پتھر اٹھاتے۔ یسوع نے انہیں کہا میں نے باپ کی طرف سے بہت اچھے کام دکھائے ہیں، ان میں سے کس کام کی وجہ سے مجھے پتھراؤ کرتے ہیں؟ یہودیوں نے کہا ہم تجھے اچھے کام کی وجہ سے پتھراؤ نہیں کرتے بلکہ تیرے کفر کی وجہ سے پتھراؤ کرتے ہیں اس لیے کہ آدمی ہو کر تو اپنے آپ کو خدا بنا رہا ہے۔" (یوحنا ۱: ۳۲۔۳۳)

یہ دوٹوک سوال حضرت مسیح کے سامنے رکھا گیا کہ کیا وہ خدا ہونے اور تثلیث کی دوسری اقنوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جیسا کہ بعد میں انہیں عیسائیوں کی طرف سے اس حیثیت میں دکھایا گیا ہے، اس جگہ حضرت یسوع مسیح کا جواب ان کے ماننے والوں اور پیروی کرنے والوں کو ضرور قبول کرنا چاہیئے۔

"یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری کتاب میں یہ نہیں لکھا، میں نے کہا تم سب خدا ہو اور حق تعالیٰ کے فرزند اگر اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا اور خدا کا کلام باطل نہیں تو آیا تم اسے جسے باپ نے

مقدس کر کے دنیا میں بھیجا ہے کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے اس لیے کہ میں نے
کہا میں خدا کا بیٹا ہوں " (یوحنا ۱: ۳۴-۳۷)

نیز "ہم تو اس کی نسل بھی ہیں" (اعمال ۱۷: ۲۹)

حضرت یسوع مسیح کا یہ جواب اس بات کی پوری وضاحت کر رہا ہے کہ خدا کا بیٹا کے الفاظ جو آپ نے خود اپنے لیے اور دوسروں نے آپ کے لیے استعمال کیے ہیں ان کا مفہوم صرف وہی ہے جو الہامی کتابوں میں دوسروں کے لیے لیا جاتا رہا ہے جس کی ہم کئی مثالیں پیش کر چکے ہیں ان مثالوں میں بھی تو حقیقی خدا ہونے یا اقنوم ثانی ہونے کا مفہوم نہیں لیا گیا۔ یہ مفہوم حضرت یسوع مسیح کے بہت بعد کی پیداوار ہے۔

یہ امر بحث طلب ہے کہ اسی سیاق کلام میں حضرت یسوع مسیح نے یہ بھی کہا تھا کہ
"میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱: ۱۹)
"اور باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں" (یوحنا ۱: ۳۰)

یہ اعتراف بظاہر اس دعوے کو سہارا دیتا ہے جو حضرت یسوع مسیح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ صرف بائیبل کے محاورہ کے مطابق ہی خدا کا بیٹا نہ تھے بلکہ وہ خدا کا پورا شریک اور برابری کی بنیاد پر خدائی میں حصہ دار تھے اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ بائیبل کے محاورہ میں جن الفاظ سے سہارا لیا جاتا ہے وہ معاملہ کو ذرا بھی آگے نہیں بڑھاتے اور یسوع مسیح کی خدائی کی ذرہ بھر گواہی نہیں دیتے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

"اس دن تم جان لو گے کہ میں باپ میں ہوں تم مجھ میں ہو اور میں تم میں"
(یوحنا ۱۴: ۲۰)

"تاکہ سب ایک ہو جائیں، یعنی جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں اور دنیا ایمان لائے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے تاکہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں، میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ کامل ہو کر ایک ہو جائیں اور دنیا جانے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے اور جس طرح کہ تو نے مجھ سے محبت

رکھی۔ ان سے بھی محبت رکھی" (یوحنا ۱۷: ۲۱-۲۳)

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو میرا کلام سنتا ہے اور میرے بھیجنے والے کا یقین کرتا ہے ہمیشہ کی زندگی اس کی ہے" (یوحنا ۵: ۲۴)

"اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے" (افسیوں ۴: ۶)

حضرت یسوع مسیح اور خدا کے درمیان امتیاز کو آپ کے شاگرد اور ابتدائی اچھی طرح سمجھتے تھے جیسا کہ ذیل کے اقتباسات سے ظاہر ہے۔

"مختون تو ہم ہیں جو خدا کے روح کی ہدایت سے پرستش کرتے ہیں اور مسیح یسوع پر فخر کرتے ہیں اور جسم کا بھروسہ نہیں کرتے" (فلپیوں ۳: ۳)

"ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے یعنی باپ جس کی طرف سے سب چیزیں ہیں اور ہم اسی کے ہیں اور ایک ہی خداوند ہے یعنی یسوع مسیح جس کے وسیلہ سے سب چیزیں ہیں اور ہم بھی اسی کے وسیلہ سے ہیں"
(۱۔ کرنتھیوں ۸: ۶)

حضرت یسوع مسیح نے خود بھی اپنے اور خدا میں امتیاز کیا ہے اور خدائی کو صرف خدا کی طرف منسوب کر کے جو خود ان کا بھی خدا تھا بالکل واضح کر دیا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں:

"میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں" (یوحنا ۲۰: ۱۷)

"فقیہوں میں ایک آیا ...... اور اس (یسوع مسیح) سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کونسا ہے؟ اور یسوع نے جواب دیا کہ اول حکم یہ ہے اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ ...... اور فقیہ نے اس سے کہا اے استاد بہت خوب! تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں"
(مرقس ۱۲: ۲۹-۳۰، ۳۲)

"(خدا) جو مبارک اور واحد حاکم، بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا
خداوند ہے بقا صرف اسی کو ہے وہ اس نور میں رہتا ہے جس تک کسی کی
رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسے کسی انسان نے نہ دیکھا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔
اسی کی عزت اور سلطنت ابد تک رہے" (۱۔ تیمتھیس ۶ : ۱۵-۱۶)

عقیدۂ تثلیث

تثلیث کا عقیدہ تقاضا کرتا ہے کہ تینوں شخصیتیں (باپ، بیٹا اور روح القدس ہر پہلو میں پورے طور پر ایک دوسرے سے برابری رکھتی ہوں، کیونکہ اگر ان میں کسی میں کسی پہلو میں بھی عدم مساوات پائی جاتے تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ ایک ان میں سے دوسرے دو سے افضل ہے، یا دو تیسری شخصیت سے افضل ہیں اس صورت میں ایک یا دو جو مساوات نہیں رکھتے خدا نہیں ہو سکتے اور صرف وہ ایک جو دوسری دو شخصیتوں سے افضل ہے وہی کائنات کا خدا ہو گا دوسری دو شخصیتیں بھی اس کی مخلوق ہی ہوں گی۔

اناجیل اور خطوط کا ایک سرسری مطالعہ یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ اس میں جو خدائی صفات کا ریکارڈ ہے۔ اس کے لحاظ سے صرف باپ ہی سب سے افضل ہے اور حضرت یسوع مسیح ان خدائی صفات کے اپنے وجود میں پایا جانے کے مدعی نہیں، بلکہ ان صفات کے اپنے وجود میں پایا جانے سے انکار کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر صرف خدا ہی ساری عزت کا سرچشمہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

"تم جو ایک دوسرے سے عزت چاہتے ہو وہ عزت جو خدائے واحد کی
طرف سے ہوتی ہے نہیں چاہتے کیونکر ایمان لا سکتے ہو" (یوحنا ۵ : ۲۲)

اس بات کی تائید قرآن مجید سے ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا (۳۵-۱۱)

جو عزت چاہتا ہے وہ جان لے کہ سب عزت اللہ کو حاصل ہے۔

پس تمام عزت کا مستحق خدا تعالیٰ ہی ہے انجیل میں لکھا ہے:

"دیکھو ایک شخص نے (یسوع کے) پاس آکر اس سے کہا اے استاد! میں

کونسی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اس نے اس سے کہا تو مجھ سے
نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔ نیک تو ایک ہی ہے جو خدا ہے، لیکن اگر
تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر" (متی ۱۹ : ۱۶-۱۷)

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو اپنے قادر مطلق ہونے سے انکار تھا۔ چنانچہ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے یسوع مسیح سے کہا:

"یہ میرے دونوں بیٹے تیری بادشاہی میں ایک تیری داہنی اور ایک
تیری بائیں طرف بیٹھیں۔ یسوع نے جواب میں کہا ... اپنے داہنے
بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں مگر جن کے لیے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا
انہی کے لیے ہے" (متی ۲۰ : ۲۳)

پھر حضرت یسوع مسیح کا علم بھی خدا کے علم کی طرح وسیع اور کامل نہ تھا، چنانچہ اپنی دوسری آمد کے متعلق کچھ نشان بیان کرنے کے بعد حضرت یسوع مسیح نے کہا:

"اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے
فرشتے نہ بیٹا، مگر باپ" (مرقس ۱۳-۳۲)

قرآن مجید اس بات کی تائید کرتا ہے کہ خدا کا علم ہی تمام آسمانوں اور زمین کا احاطہ رکھتا ہے اور انسان کا علم محدود ہے اور اتنا ہی ہے جتنا خدا اسے عطا کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ
بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

(البقرہ ۲۵۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے اس کا علم آسمانوں اور زمینوں پر حاوی ہے اور ان دونوں کی حفاظت

اسے تھکائی نہیں وہ بہت بلند اور بہت عظمت والا ہے۔

بظاہر حضرت یسوع مسیح صرف خدا سے ہی برابری میں کم نہیں بلکہ وہ تثلیث کی تیسری بینہ شخصیت (روح القدس) سے بھی برابری میں کم ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود کہا ہے:۔

"اس لیے میں تم سے کہتا ہوں آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا، اور جو کوئی ابن آدم کے حق میں کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف کی جائے گی، مگر جو کوئی روح القدس کے برخلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہ کی جائے گی نہ اس عالم میں نہ آنے والے عالم میں۔" (متی ۱۲ : ۳۱ ، ۳۲)

قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ ہر دعا میں مخاطب خدا تعالیٰ کو کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ۔ (۱۳ : ۱۵)

یعنی سچی دعا خدا سے ہی ہو سکتی ہے جنہیں وہ لوگ خدا کے سوا دعا میں پکارتے ہیں وہ انہیں بالکل کوئی جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو دعا کرنے کی عادت تھی، مثلاً لکھا ہے:۔

"وہ (یسوع مسیح) جنگلوں میں الگ جا کر دعا کیا کرتا تھا۔" (لوقا ۵ : ۱۶)

"وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ہمراہ لے کر پہاڑ پر دعا کرنے گیا۔" (لوقا ۹ : ۲۸)

"(یسوع مسیح علیہ السلام نے کہا) جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے وہ سب تم کو ملے گا۔" (متی ۲۱ : ۲۲)

"پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا جب کر چکا تو اسکے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا جیسا یوحنا نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا تو بھی ہمیں سکھا اس نے ان سے کہا جب تم دعا کرو تو کہو اے باپ! تیرا نام پاک مانا جائے۔" (لوقا ۱۱ : ۱ ، ۲)

اس طرح حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی تمام دعاؤں اور آپ کے شاگردوں کی دعاؤں میں مخاطب خدا ہوتا تھا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ دعا مانگنے والے میں اور جس خدا سے دعا مانگی جائے برابری اور مساوات موجود نہیں ہو سکتی، خدا تعالیٰ ہی جواب دینے اور اسے قبول کرنے کی قدرت رکھتا ہے یہ ظاہر ہے کہ یسوع مسیح میں یہ قدرت موجود نہ تھی کیونکہ اگر انہیں بھی یہ قدرت ہوتی تو خود ان کا دعائیں مانگنا ایک بے معنی فعل ہوتا، اگر وہ تثلیث کا اقنوم ثانی ہوتے تو اس طرح وہ خدا ہوتے تو اس صورت میں انہیں دعا مانگنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ وہ اس صورت میں جو کچھ چاہتے انہیں اس کی خود قدرت حاصل ہوتی۔

یہ مضمون حضرت مسیح کی ان دعاؤں سے خوب واضح ہوتا ہے جو آپ نے گتسمنی کے باغ میں کیں جبکہ آپ نے منہ کے بل گر کر یہ دعا کی کہ:

"اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے۔" (متی ۲۶ : ۳۹)

اس دعا کے خاص مفہوم پر تو ہم آگے چل کر روشنی ڈالیں گے، اس جگہ ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت یسوع مسیح اور خدا کے درمیان تعلق ایسا ہی تھا جیسا کہ ایک نیک خادم اور اسکے معزز آقا کے درمیان ہوتا ہے، آپکے الفاظ "نہ جیسا کہ میں چاہتا ہوں بلکہ تو چاہتا ہے۔" اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یسوع مسیح کے نزدیک خدا کی مرضی انکی اپنی مرضی پر فضیلت رکھتی ہے اور یہ کہ یسوع مسیح کی مرضی خدا کی مرضی کے تابع تھی جیسا کہ آپ نے خود بھی کہا ہے کہ

"میں آسمان سے اس لیے نہیں اترا ہوں کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کروں بلکہ اس لیے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں۔" (یوحنا ۶ : ۳۸)

یہ بات خدا اور حضرت یسوع مسیح کے درمیان اس تعلق کا ایک واضح بیان ہے جو خدا اور اس کے نبی کے درمیان پایا جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ہم کہیں یہ نہیں پاتے کہ باپ نے کبھی بیٹے سے دعا کی ہو۔ یہ امر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خدا ہی بڑا ہے اور بیٹا اس کا نائب ہونے کی وجہ سے اس سے کم مرتبہ رکھتا ہے وہ صرف ایک آقا کے خادم کی طرح ہے۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ تثلیث کے تینوں اقانیم کے درمیان ہر پہلو کے لحاظ سے برابری ہے۔ مرتبہ میں

بھی برابری علم میں بھی برابری اور قدرت اور باقی تمام خدائی صفات میں بھی برابری، تو اس سے ایک ایسی الجھن اور اس قسم کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جو ہم بعض ادیان کے مذہبی تصورات میں پاتے ہیں، اس طرح تثلیث کا یہ موقف ایک ناقابل حل تضاد پیش کر رہا ہوگا، کیونکہ ان اقانیم میں اگر ایک دوسرے دو پر نظم و ضبط میں تفوق رکھتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دوسرے دو اقانیم خدا کے نائب اور اس کے ماتحت ہیں، اس طرح تینوں اقانیم میں برابری نہیں رہے گی اور اگر ان تینوں اقانیم میں کوئی باہمی نظم و ضبط موجود نہ ہو تو اس سے شدید اختلاف پیدا ہوگا اور اگر تینوں اقانیم کی مرضی میں بھی مکمل یکسانیت ہو اور دوسرے تمام امور میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہو تو اس صورت میں تثلیث کا عقیدہ بالکل غیر ضروری اور لغو امر ہوگا نہ کسی ٹھوس حقیقت پر مبنی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۝ (۲۱ : ۲۴،۲۳)

"اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے، پس اللہ ہر عیب سے پاک ہے وہ عرش کا مالک ہے اسکی شان اس سے بلند ہے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں اس سے اسکے کام پر باز پرس نہیں ہو سکتی اور وہ لوگ ضرور باز پرس کئے جائینگے۔"

یسوع مسیح نے اپنے مخالفوں کی توجہ اس طرف مبذول کی کہ موسیٰ نے اس کی آمد کی پیشگوئی کی ہے۔ اس نے کہا:

"اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے تو میرا بھی یقین کرتے، اس لیے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے لیکن جب تم اسکے نوشتوں کا یقین نہیں کرتے تو میری باتوں کا کیونکر یقین کروگے" (یوحنا ۵: ۴۶-۴۷)

یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ تورات اور بائیبل کے دوسرے صحیفوں میں کئی پیشگوئیاں مسیح کی آمد کے متعلق موجود ہیں اور یہودی مسیح کی آمد کے منتظر تھے، جب یسوع مسیح نے اپنا منصب سنبھالا اس وقت اس نے انہی پیشگوئیوں کی طرف یہود کو توجہ دلانے کی کوشش کی ہے۔ جب کہ وہ موسیٰ کی پیشگوئی کا حوالہ دے رہا تھا اور اس جگہ جو بات ہمارے مقصد سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ وہ سب پیشگوئیاں ایک نبی کی آمد کے متعلق ہیں نہ کہ تثلیث کی دوسری اقنوم کے طور پر خدا کی آمد کے متعلق۔

اس معاملہ میں واضح سچائی یہ ہے کہ یسوع اسرائیل کا آخری نبی نہیں تھا، وہ موسیٰ اور بنی اسرائیل

کے تمام نبیوں پر جو موسیٰ کے بعد آتے تھے ایمان رکھتا تھا، وہ موسیٰ کی شریعت کے تابع تھا اور اس پر ثابت قدم تھا۔ یہ تو درست ہے کہ اکثر اوقات اس نے موسوی قانون کے ظاہری الفاظ سے بظاہر اختلاف کر کے ان کی اصل حقیقت اور مراد ظاہر کی اور یہ امر اس کے منصب نبوت سے متعلق بھی تھا، لیکن موسیٰ کے قانون یا اس کے کسی حصّہ کو منسوخ کرنا اس کی مراد نہ تھی کیونکہ وہ اس کا اختیار ہی نہ رکھتا تھا چنانچہ یہ بات اس نے اپنے اعلان نبوت میں صاف طور پر کہہ دی تھی۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا، جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے، پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا، وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا، لیکن جو ان پر عمل کریگا اور ان کی تعلیم دیگا وہ آسمانی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔" (متی ۵: ۱۷-۱۹)

یہی وجہ ہے کہ یسوع نے ایک شخص کو جس نے اس سے پوچھا تھا، میں کونسا نیک کام کروں تاکہ میں ابدی زندگی حاصل کر سکوں یہ کہا تھا "خدا کے حکموں پر عمل کرو"۔ اس سے واضح طور پر یسوع کی مراد موسوی قانون شریعت تھا۔

یسوع کی نبوت کا منصب صرف بنی اسرائیل کے لیے تھا وہ داؤد کے تخت کا وارث تھا اور اسے یعقوب کے گھرانے پر حکومت کرنا تھی۔ (لوقا ۱: ۳۲، ۳۳)

یسوع کا اپنا عقیدہ اپنے منصب کے متعلق ذیل کے واقعہ سے پورے طور پر واضح ہے۔

"دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی، اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر ایک بد روح میری بیٹی کو بُری طرح ستاتی ہے مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آکر اس سے یہ عرض کی کہ اسے رخصت کر دے، کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اس (یسوع) نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا، مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا

لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں، اس نے کہا ہاں خداوند کیونکہ
کتے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کے مالکوں کی میز سے گرتے ہیں۔
اس پر یسوع نے جواب میں اس سے کہا اے عورت تیرا ایمان بہت بڑا ہے جیسا
تو چاہتی ہے، تیرے لیے ویسا ہی ہو۔ اس کی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی"

(متی ۱۵ : ۲۲ تا ۲۸)

یہ واقعہ نہایت صفائی سے مثبت انداز میں ظاہر کر رہا ہے کہ یسوع مسیح خداتعالیٰ کا ایک رسول تھا جو بنی اسرائیل کے گھرانے کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا تھا اور اس کی رسالت بنی اسرائیل کے دائرہ کے اندر ہی تھی، کنعانی عورت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس نے ایک موقعہ پر اسے سجدہ کیا اور اس کا یہ سجدہ صرف مدد حاصل کرنے کے لیے ایک التجا اور درخواست کی صورت میں تھا، لہٰذا سجدہ کا لفظ التجاء کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے پس آیت کا مفہوم اس طرح ہے کہ

"وہ آئی اور اس نے اپنی مدد کے لیے التجا کی"۔

اس عورت کی طرف سے یسوع کی انتہائی تعظیم کا اظہار یسوع مسیح کو خدا نہیں بنا دیتا اور یسوع کا دوسرا جواب جو اس نے کنعانی عورت کو دیا زیادہ زوردار ہے بہ نسبت اس کے پہلے جواب کے جس میں غیر اسرائیلیوں سے انتہائی درجہ کی نفرت کا اظہار کیا گیا تھا، اس نے یہ مناسب نہیں سمجھا تھا کہ بچوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دی جائے، نفرت تو الگ رہی۔ یہ آیت اس تخیل کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتی کہ یسوع کا رسول اللہ کا منصب اپنے دائرہ میں کسی غیر اسرائیلی کو داخل کر سکتا تھا۔ یسوع کا آخر کار اس کی التجاؤں کو مان لینا اس بات کی علامت نہیں کہ یسوع کو اپنے منصب کے دائرہ اور حدود کے متعلق پہلے کچھ غلط فہمی تھی اور اب اسے اس کی حدبندی کے متعلق اس سے بہتر علم ہو چکا تھا۔ اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ وہ اس عورت کے اپنے متعلق انتہائی خلوص کو دیکھکر رحم کے جذبہ سے سرشار ہو گیا تھا، یسوع کا مشن ایک رحم دلانہ مشن تھا اور اگر کوئی غیر اسرائیلی اخلاص سے اس پر ایمان لاتا تو اس سے اس کے مشن کا کوئی حرج نہ تھا، بلکہ اس سے نیکی ہی پیدا ہو سکتی تھی۔

یہ کہا جاتا ہے کہ ایک موقعہ پر اس نے اپنے شاگردوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ اس کا پیغام

شہروں اور دیہات میں اور تمام قوموں کی طرف لے جائیں، لیکن اس بات میں بھی کوئی ایسی علامت موجود نہیں کہ وہ ان تمام شہروں، دیہات اور تمام قوموں سے مراد اسرائیل کے شہروں، دیہات اور تمام یہودی اقوام کے علاوہ اور شہر دیہات یا اقوام مراد لیتا تھا، اس نے وضاحت سے اپنے شاگردوں کو کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے سوا غیر قوموں کی طرف نہ جانا چنانچہ انجیل میں لکھا ہے:-

"ان بارہ (شاگردوں) کو یسوع نے بھیجا اور انکو حکم دیکر کہا، غیر قوموں کی طرف
نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی
بھیڑوں کے پاس جانا" (متی ۱۰ : ۵-۶)

اس طرح تثلیث کا جو تصور پیش کیا جاتا ہے وہ دلیل کو مضطرب اور ضمیر کو مجروح کرتا ہے اور الوہیت کی عظمت کے خلاف ہے اور یہ تصور الوہیت کے تصور سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

انگلیکن ماہرین دینیات ANGLICAN THEOLOGIANS کی ایک جماعت نے تثلیث کو ایک افسانہ قرار دیا ہے ان کے خیالات کا مفہوم یہ ہے کہ:-

"یہ ایک کہانی ہے جو کہی گئی ہے، لیکن یہ لفظی طور پر صحیح نہیں، یا یہ ایک ایسا
تخیل یا ایسا تصور ہے جسے کسی شخص یا چیز کی طرف منسوب کیا جائے تو لفظاً لفظاً
اس پر صادق نہ آئے بلکہ یہ اسکے سننے والوں میں اس کے لیے ایک خاص وصف قبول
کرنے کی دعوت دے ... یہ بات کہ یسوع خدا تھا، خدا کا مجسم فرزند تھا۔ لفظاً لفظاً
درست نہیں، کیونکہ اس بات کے کوئی لغوی معنے نہیں ہیں بلکہ یہ یسوع پر ایسی بات
چسپاں کرنا ہے جو محض ایک افسانوی تصور ہے جو قدیم زمانہ کے اس تخیل پر قیاس
کیا گیا ہے کہ بادشاہ خدا کا فرزند ہوتا ہے"۔[1]

مصنفین اس بات سے مطمئن ہیں کہ اس انیسویں صدی کے انکشافات عیسائیت کے ابتدائی ماخذ کے علم کو ترقی دینے کی ضرورت کو ابھار رہے ہیں اور اس امر سے متعارف کرا رہے ہیں کہ یسوع اعمال ۲ : ۲۲ کے مطابق خدا کا ایک مقبول انسان تھا، جو خدائی مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایک خاص مشن پر آیا تھا اور اس کے متعلق بعد کا یہ عقیدہ کہ وہ مجسم خدا اور تثلیث کی دوسری اقنوم تھا جو

1- THE MYTH OF GOD INCORNATE PAGE 91 - 2-180.178

انسانی زندگی بسر کرتا رہا محض ایک افسانوی یا شاعرانہ طریق بیان کے طور پر اسے ہم سے متعارف کراتا ہے۔

صداقت کی خاطر اس بات کو مان لینا نہ صرف صداقت کا عین تقاضا ہے بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے ہمارے عملی تعلقات کے سلسلہ میں بھی یہ امر فائدہ بخش ہے (ایضاً ص۱۷۱)

خدا پیدا ہونے اور مرنے سے پاک ہے وہ ازلی ابدی ہے، نہ وہ کسی کو جنتا ہے نہ جنا گیا ہے قرآن مجید نے اس کا صحیح تعارف کرایا ہے جو کسی پہلو میں خدا کو کمزور عاجز اور محدود قرار نہیں دیتا مثلاً قرآن مجید میں ہے:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (الاخلاص)

کہہ دو خدا یگانہ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں نہ وہ کسی کو جنتا ہے اور نہ وہ جنا گیا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ
بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۚ (الفرقان ۵۹)

اور بھروسہ کر اس ایک خدا پر جو ہمیشہ زندہ ہے اور زندگی کا سرچشمہ ہے جو نہیں مریگا اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر۔

قرآن مجید صاف لفظوں اور زوردار طریق سے تثلیث کے عقیدہ کو رد کرتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ
عَبْدًا ۝ (مریم ۸۹ تا ۹۴)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے بیٹا بنا لیا ہے یقیناً تم نے سخت بات کہی ہے قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں، کیونکہ ان لوگوں نے خدا کا بیٹا قرار دیا ہے اور خدائے رحمان

کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے، کیونکہ ہر ایک جو آسمانوں یا زمین میں ہے۔ رحمٰن کے حضور غلام کی صورت میں حاضر ہونے والا ہے"۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ
عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا
حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا
اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۚ
كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ
اِلَّا كَذِبًا ۝ (الکہف ۲ تا ۵)

"سب تعریف کا اللہ ہی مستحق ہے۔ جس نے یہ کتاب اپنے بندے پر اتاری ہے اس میں کوئی کجی نہیں رکھی، وہ کج سے معموز اور صحیح راہ نمائی کرنیوالی ہے تاکہ یہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کردے اور ایمان لانے والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دے کہ ان کے لیے ایک اچھا اجر ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (نیز اس لیے اسے اتارا ہے کہ) تا وہ ان لوگوں کو آگاہ کرے جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا لیا ہے انہیں اس بارہ میں کچھ بھی تو علم نہیں اور نہ ان کے بڑوں کو اس بارہ میں کوئی علم تھا، یہ بہت بڑی (خطرناک) بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے وہ صرف جھوٹ بول رہے ہیں"۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ
اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا
خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝
وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۲۱:۲۶-۳۰)

اور ہم نے تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں ہم ان میں سے ہر ایک کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ حقیقت یہ ہے کہ میں ایک ہی خدا ہوں۔ پس (صرف) میری عبادت کرو اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ رحمٰن (خدا) نے بیٹا بنایا ہے (انکی بات درست نہیں) وہ تو ہر کمزوری سے پاک ہے حقیقت یہ ہے کہ (جنکو یہ بیٹا کہتے ہیں) وہ خدا کے کچھ بندے ہیں جنکو خدا کی طرف سے عزت ملی ہے وہ خدا کی بات سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں کہتے اور وہ اس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں (خدا) اس کو بھی جانتا ہے جو انہیں آئندہ پیش آنے والا ہے اور جو وہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور سوائے اس کے جس کے لیے خدا نے یہ بات پسند کی ہو کسی کے لیے شفاعت نہیں کرتے اور وہ اسکے خوف سے لرزتے رہتے ہیں اور جو بھی ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے اور ہم ظالموں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِن دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (٥ : ١١٧ تا ١١٩)

اور جب اللہ نے کہا اے عیسٰی ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو تو اس نے جواب دیا کہ (ہم) تجھے (تمام عیبوں سے) پاک قرار دیتے ہیں۔ میری شان کے شایان نہ تھا کہ میں (وہ بات) کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا اور اگر میں نے ایسا کہا تھا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوگا جو کچھ میرے جی میں ہے تو جانتا ہے اور جو کچھ تیرے جی میں ہے میں نہیں جانتا تو یقیناً (سب) غیب کی باتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ میں نے اُن سے صرف وہی بات کہی تھی جس کا تُو نے مجھے حکم دیا یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا (بھی) رب اور تمہارا بھی رب ہے اور جب تک میں اُن میں (موجود) رہا میں اُنکا نگران رہا مگر جب تو نے میری روح قبض کر لی تو تُو ہی اُن پر نگران تھا (میں نہ تھا) اور تو ہر چیز پر نگران ہے اگر تُو انھیں عذاب دینا چاہے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخشنا چاہے تو تُو بہت غالب (اور) بڑی حکمتوں والا (خدا) ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝ لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ۝ (٤ : ١٧٢ تا ١٧٣)

اے اہل کتاب! تم اپنے دین (کے معاملہ) میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ تعالیٰ کے متعلق سچی بات کے سوا کچھ نہ کہا کرو۔ مسیح عیسٰی ابن مریم اللہ کا صرف (ایک) رسول اور اس کی (ایک) بشارت تھا جو اس نے مریم پر نازل کی تھی اور اس کی طرف سے ایک رحمت تھا اس لیے تم اللہ (پر) اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یوں) نہ کہو کہ خدا تین ہیں (اس امر سے) باز آ جاؤ (یہ) تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اللہ ہی اکیلا معبود ہے وہ (اس بات سے) پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اُسی کا ہے اور اللہ کی حفاظت کے بعد کسی حفاظت کی ضرورت نہیں مسیح ہرگز اس (امر) کو بُرا نہیں منائیگا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ (متصور ہو) اور نہ (ہی) مقرب فرشتے (اسے بُرا منائیں گے) اور جو (لوگ) اس کی عبادت سے بُرا منائیں اور تکبر کریں وہ (یعنی خدا تعالیٰ) ضرور ان سب کو اکٹھا کریگا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (٥ : ٧٣ تا ٧٥)

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یقیناً اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے وہ ضرور کافر ہو گئے ہیں اور مسیح نے (تو) کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا (بھی) رب ہے) اور تمہارا (بھی) رب ہے بات یہی ہے کہ جو (شخص کسی کو) اللہ کا شریک بنائے تو (سمجھ کر) اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی (بھی) مددگار نہیں (ہوگا) جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ یقیناً

تین میں سے ایک ہے وہ یقیناً کافر ہوگئے اور سوائے ایک معبود کے کوئی دوسرا معبود نہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے انہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا پھر کیا وہ (لوگ) اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور اس سے (اپنے گناہوں کی) معافی (نہیں) مانگتے، حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○ (۵ : ۷۶ تا ۷۷)

"مسیح ابن مریم صرف ایک رسول تھا اس سے پہلے رسول (بھی) فوت ہو چکے ہیں اور اس کی ماں بڑی راستباز تھی وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، دیکھ ہم کس طرح ان کے (فائدہ کے) لیے دلائل بیان کرتے پھر دیکھ کہ انکا خیال کس طرح بدل دیا جاتا ہے تو کہہ دے (کہ) کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن (چیزوں) کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تمہیں نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتی ہیں اور نہ نفع پہنچانے کی اور اللہ ہی ہے جو بہت سننے والا (اور) جاننے والا ہے تو کہہ دے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین کے متعلق ناجائز (طورپر) حد سے زیادہ غلو سے کام نہ لو اور ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو (بھی) انہوں نے گمراہ کیا ہے اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔"

خدا اور اس کی صفات کا مضمون جس کے ذریعہ اس کا صحیح تصور ہو سکتا ہے ایک وسیع اور غیر محدود مضمون ہے قرآن مجید خدائی صفات و افعال کے متعلق قیمتی ہدایات پیش کرتا ہے۔ ہمارے موجودہ مقصد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہم اس مضمون کی تفصیلی بحث پیش کرنے کے درپے ہوں تاہم وضاحت کے لیے قارئین کرام کی توجہ ذیل کے اقتباس کی طرف دلائی جاتی ہے جسے توجہ سے پڑھا جانا چاہیئے اور پوری احتیاط سے اس پر غور کیا جانا چاہیئے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ

الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (۵۹ : ۲۳ تا ۲۵)

"(حق یہ ہے کہ) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے (خود) پاک ہے (اور دوسروں کو پاک کرتا ہے (خود) ہر عیب سے سلامت ہے (اور دوسروں کو سلامت رکھتا ہے) سب کو امن دینے والا ہے اور سب کا نگران ہے، غالب ہے اور سب ٹوٹے ہوتے دلوں کو جوڑتا ہے، بڑی شان والا ہے جن چیزوں کو یہ لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ان سے اللہ پاک ہے (حق یہی ہے کہ) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنیوالا اور ہر چیز کا موجد بھی ہے اور ہر چیز کو اس کے مناسب حال صورت دینے والا ہے اس کی بہت سی اچھی صفات ہیں، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کی تسبیح کر رہا ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

انسان نیک نسل کا خواہش مند ہوتا ہے جو اس کے بڑھاپے میں اس کی مدد کرے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے اور اس کے خاندان کے نام کو زندہ رکھے اور موروثی عزت کو قائم رکھے، خدا ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ موجود بالذّات اور قائم بالذّات ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے اسی کی اطاعت کرتا ہے اور اسی کا جلال ظاہر کرتا ہے اس کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے؟ ایک بیٹا اس کے لیے کیا کر سکتا ہے جو وہ خود نہیں کر سکتا؟ اس کی الوہیت میں ایک بیٹا بطور حصہ دار (شریک کے) اس کی طرف منسوب کرنا اس کی سخت ترین توہین ہے۔

باب سوم

یسوع مسیحؑ کی موت

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا تھا، اس وجہ سے وہ موسیٰ کی کتاب استثنار (۲۱: ۲۳ تک) واضح حکم کے مطابق ملعون ہو چکا ہے، اس طرح وہ ایک صادق نبی قرار نہیں پا سکتا۔

مسیحی تسلیم کرتے ہیں کہ اگرچہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دی، لیکن وہ تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھا، اس کے بعد بعض مواقع پر وہ اپنے شاگردوں سے ملا، پھر وہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

قرآن مجید ان دونوں دعووں کو تسلیم نہیں کرتا، لیکن یسوع کی موت خواہ صلیب پر ہوئی ہو یا بعد ازاں طبعی طور پر ہوئی ہو، بہر حال یہ ایک راز چلا آ رہا ہے اور کئی صدیوں سے محل نزاع بنا ہوا ہے، یہودیوں اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد کو سامنے رکھتے ہوئے اس معاملہ کی سچائی کا پہلو ایک بنیادی اہمیت کا حامل ہے لہٰذا اس سوال کا مطالعہ کرتے ہوئے قابلِ حصول گواہی کی تلاش پوری احتیاط اور احترام کی روح کے ساتھ ہونی چاہیئے۔

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے خود ایک رنگ میں ایک پیشگوئی کی تھی جو آپ کی صلیب پر موت کے مسئلہ سے متضاد ہے، انجیل میں ہم پڑھتے ہیں:۔

"بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس (یسوع مسیحؑ) سے کہا اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں اس نے جواب دیتے ہوئے ان سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے

مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا کیونکہ یوناہ تین دن اور تین راتیں مچھلی کے پیٹ میں رہا اسی طرح ابن آدم تین دن اور تین رات زمین کے پیٹ میں رہے گا۔" (متی ۱۲: ۳۸ تا ۴۰)

اور جب بڑی بھیڑ جمع ہوتی جاتی تھی تو وہ (یسوع) کہنے لگا اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں وہ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا کیونکہ جس طرح یوناہ نینوا کے لوگوں کے لیے نشان ٹھہرا اسی طرح ابن آدم اس زمانہ کے لوگوں کے لیے ٹھہرے گا۔"

(لوقا ۱۱: ۲۹ تا ۳۰)

اس طرح جس نشان کی یسوع مسیحؑ کے ذریعہ پیشگوئی کی گئی تھی وہ یہ تھا کہ جس طرح یوناہ نبی ایک خاص وقت کے لیے مچھلی کے پیٹ میں رہا اسی طرح ابن آدم بھی ایک خاص عرصہ کے لیے زمین کے پیٹ میں رہے گا۔ واضح رہے اس پیشگوئی کی روح ٹھہرنے کا زمانہ نہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ لوقا کے بیان کردہ مضمون میں ٹھہرنے کے وقت کا کوئی ذکر موجود نہیں اس میں یوناہ نبی کا نشان کیا تھا؟ وہ یہ تھا کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں زندہ داخل ہوا اور اس میں زندہ رہا اور اس سے زندہ نکلا۔ اس طرح یسوع مسیح نے پیشگوئی کی تھی کہ وہ زمین کے پیٹ میں زندہ داخل ہوگا، وہاں زندہ رہے گا اور اس سے زندہ نکلے گا، اس کے یہ معنے ہیں کہ اس کے دشمنوں کی تدبیر ناکام ہوگی اور وہ اسے صلیب پر مار نہیں سکیں گے۔ یہ بات صلیب پر چڑھانے کے بعد کے پیچیدہ اور نہایت تلخ واقعہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک کلید ہے۔[1]

[1] حضرت مسیح کا تین دن اور تین رات زمین کے پیٹ یعنی قبر میں رہنا از روئے اناجیل ثابت نہیں، بلکہ صرف تین دن رات رہنا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو اناجیل، متی، مرقس، لوقا و یوحنا۔ اس لیے مشابہت قبر میں رہنے کے زمانہ کے لحاظ سے ثابت نہیں بلکہ قبر میں زندہ داخل ہونے، زندہ رہنے اور زندہ نکلنے کے علاوہ بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کے پاس جا کر انہیں تبلیغ کرنے سے بھی ہے، کیونکہ یوناہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واقعہ صلیب یوں شروع ہوتا ہے:۔

"اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جب تک میں وہاں جاکر دعا کروں۔ اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لیکر غمگین اور بے قرار ہونے لگا، اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو، پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی، اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے۔ ویسا ہی ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آکر ان کو سوتے پایا اور پطرس سے کہا کیا تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے۔ جاؤ اور دعا کرو تا آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے پھر دوبارہ اس نے جاکر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر یہ میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔ اور آکر انہیں پھر سوتے پایا کیونکہ ان کی آنکھیں نیند سے بھری تھیں اور ان کو چھوڑ کر پھر چلا گیا اور پھر وہی بات کہکر تیسری بار دعا کی"۔ (متی ۲۶: ۳۶ تا ۴۴)

انجیل کی مندرجہ بالا آیات سے یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضرت یسوع مسیح جو اللہ تعالیٰ کے ایک مخلص خادم اور سچے نبی تھے، صلیب پر مرنے کے حکم دیا جانے کے احتمال

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

"اور خداوند نے مچھلی کو حکم دیا اور اس نے یوناہ کو خشکی پر اُگل دیا، اور خداوند دوسری بار یوناہ پر نازل ہوا کہ اُٹھ اس بڑے شہر نینوا کو جا اور وہاں اس بات کی منادی کر جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں تب یوناہ خداوند کے کلام کے مطابق اُٹھ کر نینوا گیا"۔ (یوناہ ۲: ۱۰ و ۳: ۱ تا ۳)

پس یہ نشان مسیح کامل صورت میں پورا ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیح صلیبی موت سے بچکر اور قبر میں زندہ داخل ہو کر اور زندہ رہ کر اور زندہ نکل کر بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تلاش میں جاتے اور انہیں پاکر ان میں منادی کرتے۔

سے سخت پریشان تھے۔ کیونکہ قطع نظر صلیبی موت کا دُکھ اُٹھانے کے اُن کے متعلق ایسا بدنام کن فتویٰ ہمیشہ کے لیے یہودیوں کے لیے آپ کے سچا مسیح ہونے پر ایمان لانے میں ایک سخت روک بن سکتا تھا۔ کیونکہ یہودی صلیبی موت کو ایک لعنتی کی موت خیال کرتے تھے اس لیے حضرت مسیح نے بار بار بڑی تکلیف اٹھاتے ہوئے یہ دعا کی کہ وہ صلیبی موت سے نجات پا جائیں اور غمگین ہونے کی وجہ سے آپ نے زیادہ خلوص سے دعا کی اور جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے:۔

"اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا"۔

(لوقا ۲۲، ۴۴)

ایک صادق نبی کی طرح وہ جانتے تھے کہ ان کا یہ فرض ہے کہ وہ عاجزی سے خدا تعالےٰ سے صلیب سے نجات پانے کے لیے دعا کریں جیسا کہ مقدس نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت عاجزی سے اور خشوع وخضوع پیدا کرنے والے جذبات کے ساتھ جنگِ بدر سے پہلے اللہ تعالےٰ کے حضور دعائیں کیں۔ یہ دونوں نبی امید اور یقین رکھتے تھے کہ ان کی دعائیں قبول ہونگی تاہم ان دونوں کی روحیں اللہ کی پرعظمت ہستی کے سامنے جانفشانی سے کام لے رہی تھیں جو اپنے ارادوں کا پورا علم رکھتا تھا، اسی وجہ سے حضرت یسوع مسیح نے اپنی دعا میں یہ کہا تھا۔

"تاہم ایسا نہیں جیسا میں چاہتا ہوں، بلکہ ایسا ہو جیسا تو چاہتا ہے"۔

(متی ۲۶: ۳۹)

پس حضرت مسیح علیہ السلام اس بات سے پورے آگاہ تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے معتقد ہیں اور اسی کا اجرا چاہتے ہیں خواہ وہ ارادہ کچھ بھی ہو، ان کی یہ حالت تصدیق کرتی ہے کہ ان کا خدا تعالیٰ سے تعلق ایک نبی کا ہی ہے۔ الوہیت میں خدا تعالیٰ کے حصے دار ہونے کا نہیں۔

وہ پورا یقین رکھتے تھے کہ ان کی دعا مقبول ہوگی، یہ بات انہوں نے خود اپنے شاگردوں کو بتا دی ہوئی تھی۔

"جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے وہ سب تم کو ملے گا"۔ (متی ۲۱: ۲۲)

"اور میں جانتا ہوں وہ ہمیشہ میری سنتا ہے مگر ان لوگوں کے باعث جو آس پاس کھڑے ہیں، میں نے یہ کہا تا وہ ایمان لائیں کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے۔"

(یوحنا ۱۱ : ۴۲)

"اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب اس کی سنی گئی۔"

(عبرانیوں ۵ : ۷)

یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا قبول ہو گئی تھی کیونکہ لکھا ہے:

"اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا وہ اسے تقویت دیتا تھا۔"

(لوقا ۲۲ : ۴۳)

اس طرح یسوع مسیح علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ صلیب پر مرنے سے بچا لیے جائینگے گو وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ امر کس طرح وقوع پذیر ہو گا۔ آپ کے دشمنوں نے آپ کی تباہی کے لیے ایک تدبیر کی اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کی صلیبی موت سے نجات کے لیے ایک تدبیر کی تھی جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے:۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۳ : ۵۵، ۵۶)

انہوں (حضرت عیسیٰؑ کے دشمنوں) نے تدبیر کی اور خدا نے بھی تدبیر کی، خدا تدبیر کرنے والوں میں سے بہترین ہے۔ (اللہ نے حضرت مسیح کو یوں تسلی دی) میں تمہیں طبعی موت دونگا اور تجھے اپنے حضور بلند کرونگا اور تجھے ان لوگوں کے الزامات سے پاک کرونگا جنہوں نے کفر کیا ہے اور جو تیری پیروی کرینگے انہیں قیامت کے دن تک ان پر فوقیت دونگا جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے تب تم میری طرف لوٹ کر آؤ گے۔ تب میں تم میں اس کا فیصلہ دونگا

جس بات میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔

خدا تعالیٰ کی تدبیر کو بالضرور کامیاب ہونا ہی چاہیئے تھا، وہ ناکام نہیں ہو سکتی تھی۔ گتسمنی کے باغ میں دعا کرنے کے جلد بعد حضرت یسوع مسیح علیہ السلام گرفتار کر لیے گئے۔ اس گرفتاری پر انجیل میں لکھا ہے:

"یسوع کے ساتھیوں میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر اپنی تلوار کھینچی اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اس کا کان اڑا دیا۔"

اس پر حضرت یسوع مسیح نے اسے ملامت کرتے ہوتے کہا:

"کیا تو نہیں سمجھتا کہ میں اپنے باپ سے منت کر سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کر دیگا مگر وہ نوشتے کہ یونہی ہونا ضرور ہے کیونکر پورے ہونگے۔" (متی ۲۶ : ۵۱ تا ۵۴)

یہ سب باتیں اس امر کو واضح کر رہی ہیں کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے بڑے خلوص سے خدا تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ صلیب پر مرنے سے بچائے جائیں اور ان کی دعاؤں اور التجاؤں کے جواب میں انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ انہیں ایسی موت سے بچائے گا۔

ان لوگوں پر جو یسوع مسیح علیہ السلام کو الوہیت میں حصہ دار جانتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ انسانی جسم میں اس لیے ظاہر ہوا تھا کہ صلیب پر اپنی جان بنی نوع انسان کے گناہوں کے کفارہ میں دے، ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب ملنا ان کی طرف سے ضروری ہے وہ سوال یہ ہے کہ

واضح ہو کہ اگر بات ایسی ہی ہو تو صلیب پر یسوع مسیح علیہ السلام کی موت تو پھر ان کی آمد کا مقصد پورا کرنے والی ہو گی اور اس موت کا وقوع میں آنا بہ نسبت ان کے بچایا جانے کی کوشش کے زیادہ خوش آئند ہو گا، یقیناً خدائی کا حصہ دار ہوتے ہوتے حضرت مسیح کو اپنے بچایا جانے کی دعا کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن اس کے باوجود اگر حضرت مسیح نے ایسی التجا کی تو اس کی التجا پر عمل درآمد بھی ہو گا اور وہ صلیب پر مرنے سے بچا لیا

جائیگا اور اس طرح وہ خود اپنے دنیا میں آمد کے مقصد کو پورا نہ کرنے والا ہوگا۔ گتسمنی کے باغ میں حضرت مسیح کی دعائیں اور التجائیں اس افسانہ کو بالکل رد کر دیتی ہیں کہ وہ خدائی میں ایک حصہ دار تھے اور دنیا میں بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے۔

یسوع مسیح علیہ السلام گرفتار ہو گئے اور جن لوگوں نے گرفتار کیا تھا وہ آپ کو کائفا نامی سردار کاہن کے پاس لے گئے جہاں فقیہی اور بزرگ لوگ جمع تھے، سردار کاہن کی طرف سے یسوع مسیح سے ایک سوال کیا گیا اور سوال و جواب کے آخر پر سردار کاہن نے یہ کہتے ہوتے اپنے کپڑے پھاڑ لیے کہ اس نے کفر بکا ہے۔ اب ہمکو گواہوں کی کیا حاجت رہی، دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے جواب میں کہا یہ قتل کے لائق ہے۔ (متی ۲۶ - ۶۵ - ۶۶)

جب انہوں نے اسے باندھ لیا تو وہ اسے وہاں سے لے گئے اور پیلاطس گورنر کے حوالے کر دیا۔ (متی ۲۷ : ۲)

"جب وہ پیلاطس تخت عدالت پر بیٹھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب سے بہت دکھ اٹھایا ہے۔" (متی ۲۷ - ۱۹)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے حق میں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک صریح مداخلت تھی اور الٰہی تدبیر میں یہ پہلا قدم تھا جس سے حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو صلیب پر مرنے سے بچانا مقصود تھا، مذہب کی تاریخ میں اس امر کی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ جہاں ایسی مداخلت ہو خواہ وہ خواب کے ذریعہ ہی ہو کبھی بھی اپنے مقصد میں ناکام رہی ہو۔

یہ امر کہ پیلاطس کی بیوی کا خواب بالکل سچا تھا اور خدا کی طرف سے تھا اس بات سے ثابت ہے کہ اسے یہ خبر دی گئی تھی کہ یسوع مسیح علیہ السلام ایک راستباز آدمی ہے۔ یہ بات کہ ایسے خواب کا مقصد کبھی ناکام نہیں ہو سکتا اس کا ثبوت ایک اور خواب کے ذریعہ وضاحت سے مل چکا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ یسوع کو جب کہ وہ ابھی ننھا بچہ

ہی تھا محفوظ رکھا جائے چنانچہ انجیل متی میں آیا ہے:۔

"جب وہ روانہ ہو گئے تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور جب تک کہ میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا، کیونکہ ہیرودیس اس بچے کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کرے، پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو گیا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا۔" (متی ۲ : ۱۳ تا ۱۵)

جب ہیرودیس مر گیا تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دیکر کہا کہ "اٹھ اس بچے اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں چلا جا کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے۔ پس وہ اٹھا اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر اسرائیل کے ملک میں آگیا۔" (متی ۲ : ۱۹ - ۲۱)

اس کا مطلب یہ تھا کہ اس بچے کو مصر میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وہ وہاں الٰہی حفاظت میں ہوگا۔ اسی طرح پیلاطس کی بیوی کا خواب پیلاطس کو یہ بات منوانے کے لیے تھا کہ وہ یسوع مسیح علیہ السلام کے متعلق ایک ایسا ہمدردانہ رویہ اختیار کرے جس سے مسیح کو صلیب پر مرنے سے بچایا جانے کے الٰہی مقصد میں آسانی پیدا ہو اور وہ تدبیر اثر انداز ہو جائے۔

پیلاطس کا رویہ اس کے مطابق خدائی ارادہ سے اثر پذیر ہوا جیسا کہ کہا گیا ہے:۔

"اس پر پیلاطس اسے چھوڑ دینے میں کوشش کرنے لگا۔" (یوحنا ۱۹ : ۱۲)

پیلاطس نے یسوع مسیح سے سوالات کئے اور آپ میں کوئی قصور نہ پایا اس وقت عید فسح کا وقت آیا اور اس عید پر گورنر کو لوگوں کے لیے ایک ایسے قیدی کو آزاد کرنا ہوتا تھا جسے وہ کہیں کہ وہ آزاد کیا جاتے۔ یہودیوں کا اس وقت ایک مشہور قیدی برابا نام تھا۔

"لہٰذا جب وہ سب جمع ہوئے پیلاطس نے انہیں کہا کہ تم کس کو چھڑانا چاہتے ہو۔ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ انہوں نے اسے (یسوع کو) حسد سے پکڑوایا ہے۔"

(متی ۲۷: ۱۵-۱۸)

"لیکن سردار کاہنوں اور بزرگوں نے لوگوں کو ابھارا کہ برابا کو چھڑا لیں اور یسوع کو ہلاک کرائیں، حاکم نے ان سے کہا کہ ان دونوں میں سے کس کو چاہتے ہو، کہ تمہاری خاطر چھوڑ دوں انہوں نے کہا برابا کو پیلاطس نے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں؟ سب نے کہا اس کو صلیب دی جائے۔ اس نے کہا کیوں اس میں کیا برائی ہے؟ مگر وہ اور بھی چلا چلا کر کہنے لگے کہ اس کو صلیب دی جائے، جب پیلاطوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ الٹا بلوا ہوتا جاتا ہے۔ تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں، تم جانو۔ لوگوں نے جواب میں کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔"

(متی ۲۷: ۲۰ تا ۲۵)

اس طرح حضرت یسوع مسیح پر صلیب دیا جانے کا فتویٰ دیا گیا اور وہ گلگتہ کی طرف لیجائے گئے، جو صلیب دیا جانے کی جگہ ہے پھر تیسرے گھنٹے سے نویں گھنٹے تک بھیڑ آپ کو لعن طعن کرتی رہی اور آپ کا تمسخر اڑاتی رہی۔ نویں گھنٹے کے قریب حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے بڑی آواز سے چلا کر کہا "ایلی ایلی لما سبقتنانی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔" (متی ۲۷: ۴۶) یہ چلانا بظاہر اس پریشانی سے تکلیف اٹھانے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا کہ آپ کی نگاہ میں اب تک آپ کو صلیب سے نجات کی کوئی راہ بھی نظر نہیں آتی تھی اور ادھر خدا تعالیٰ نے آپ کے صلیب سے بچایا جانے کا وعدہ بھی کر رکھا تھا۔

سو آپ گھبرائے کہ خدائی وعدہ ملنے کے بعد شاید آپ سے کوئی ایسا نامناسب فعل سرزد ہو گیا ہے یا کوئی فعل جو ہونا چاہیئے تھا کرنے سے رہ گیا ہے۔ اس لیے یہ بھول اور خطا خدا کی ناراضگی کا موجب بن گئی ہو۔ صلیب پر کھینچا ہوا ہونے پر آپ نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ اس دن کے واقعات کا دباؤ اور وہ بدسلوکی جو اب تک آپ کو بھیڑ کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑی ہے۔ آپ کے طبعی ہوش و حواس پر غلبہ پا جانے والی ہے۔ آپ اس لحظے یہ خیال نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کا بے ہوشی اور آپ کے آخری وقت کے پہنچ جانے کا تصور ہی تو وہ تدبیر اور ذریعہ تھا جو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ میں آپ کی صلیبی موت سے نجات کے لیے تجویز کر رکھا تھا۔ انجیل میں لکھا ہے:۔

"اس کے بعد جب یسوع نے جان لیا کہ اب سب باتیں تمام ہوئیں تاکہ نوشتہ پورا ہو تو کہا میں پیاسا ہوں، وہاں سرکہ سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا تھا۔ پس انہوں نے سرکہ میں بھگوئے ہوئے سپنج کو زوفے کی شاخ پر رکھ کر اس کے منہ سے لگایا پس جب یسوع نے وہ سرکہ پیا تو کہا کہ تمام ہوا اور سر جھکا کر جان دیدی۔"

(یوحنا ۱۹: ۲۸ تا ۳۰)

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چاروں انجیل نویس حضرت مسیح علیہ السلام کے المیہ صلیب کے خاتمہ کے لیے ایک ہی طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا وہ مر گیا بلکہ یہ کہا ہے کہ اس نے دم دیدیا۔ جان دیدی یا اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ مرقس میں ہے "پھر یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر دم دیدیا" (مرقس ۱۵: ۳۷)

"لوقا میں ہے۔ پھر یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔ اور یہ کہکر دم دے دیا۔"

(لوقا ۲۳: ۴۶)

یوحنا نے لکھا ہے:۔

"جب یسوع نے وہ سرکہ پیا تو کہا کہ تمام ہوا اور سر جھکا کر جان

دیدی" (یوحنا ۱۹ : ۳۰)

جان دیدی کے یہ معنی سمجھے گئے ہیں کہ یسوع مسیح مر گئے، لیکن سائنس کی گواہی کے پیش نظر جو حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ یہ الفاظ اس (موت) سے بالکل مختلف معنی دینا ظاہر کرتے ہیں جس کی طرف ابھی ہم توجہ دینگے۔

اچانک یسوع مسیح علیہ السلام کا اپنی روح کو خدا کے سپرد کرنا جیسا کہ انجیل لوقا میں مذکور ہے۔ یسوع مسیح علیہ السلام کے نبی ہونے سے تو مطابقت رکھتا ہے، لیکن آپ کے خدائی میں حصہ دار ہونے سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔

اناجیل کا بیان آگے یوں ہے کہ :-

"پس چونکہ تیاری کا دن تھا، یہودیوں نے پیلاطس سے درخواست کی کہ ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور لاشیں اتار لی جائیں تاکہ سبت کے دن صلیب پر نہ رہیں، کیونکہ وہ سبت ایک خاص دن تھا۔ پس سپاہیوں نے آکر پہلے اور دوسرے شخص کی ٹانگیں توڑیں جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے، لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہ نکلا۔"

(یوحنا ۱۹ : ۳۱ تا ۳۴)

ان باتوں کے بعد آرمتیا کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا (لیکن یہودیوں کے ڈر سے خفیہ طور پر شاگرد تھا) پیلاطس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش لے جائے۔ (یوحنا ۱۹ : ۳۸)

"پیلاطس نے تعجب کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا اور صوبہ دار کو بلا کر اس سے پوچھا کہ اس کو مرے ہوئے دیر ہو گئی جب صوبہ دار سے حال معلوم کر لیا تو فوراً اجازت دیدی پس وہ آکر اس کی لاش لے گیا اور نکدیمس بھی آیا جو پہلے یسوع مسیح کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مر اور عود ملا ہوا لایا پس انہوں نے یسوع مسیح کی لاش لیکر اسے

سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جیسا کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے اور جس جگہ وہ مصلوب ہوا وہاں ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا۔ پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا کیونکہ یہ قبر نزدیک تھی۔" (یوحنا ۱۹ : ۳۸ تا ۴۲)

اس آخری منظر میں خدا تعالیٰ کی تدبیر جو قرآن مجید کے ان الفاظ میں ہے کہ :-

مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (۳ : ۵۵)

کہ یہود نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے۔ صاف نظر آ رہی ہے کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے محسوس کیا کہ ان کا آخری وقت آ پہنچا ہے اور آپ نے چلا کر کہا۔ "اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے؟ گو اس کے فوراً بعد آپ کو سرکہ سے بھرا ہوا اسپنج پینے کے لیے دیا گیا جس نے آپ کو کوئی راحت پہنچانے کی بجائے آپ کا سانس روک دیا اور آپ چلائے کہ پورا ہو گیا ہے"۔ اس وقت اندھیرا چھایا ہوا تھا اور حکم مل چکا تھا کہ جو صلیب پر لٹکے ہوئے ہیں ان کی ہڈیاں توڑی جائیں، لیکن جب سپاہی یسوع مسیح کے پاس آئے تو انہیں یہ محسوس ہوا کہ وہ پہلے سے مر چکے ہوئے ہیں اس لیے انہوں نے آپ کی ہڈیاں نہ توڑیں، لیکن ان میں سے ایک نے بھالے سے آپ کی پسلی چھیدی اور فوراً اس سے خون اور پانی بہ نکلا جو اس بات کی علامت تھا کہ دوران خون ابھی رکا نہیں تھا۔ بھالے نے دل کو نہیں چھوا تھا بلکہ پھیپھڑے کو زخمی کیا تھا۔ اس دن کی تکالیف کے دباؤ نے آپ کے صلیب پر دکھ اٹھانے نے۔ آپ کو سرکہ پلائے جانے اور بھالا مارے جانے نے جس سے آپ کا پھیپھڑہ زخمی ہو گیا مل جل کر ایک ایسی حالت پیدا کر دی تھی جس سے آپ کا سانس تو رک گیا، لیکن جسم میں دوران خون جاری رہا۔ بظاہر نظر تو آپ مر چکے تھے، لیکن باوجود موت سے مشابہ ہو جانے کے آپ درحقیقت زندہ تھے اگر آپ کچھ اور مدت اس حالت میں رہتے تو دوران خون بھی رک جاتا، لیکن یہ الٰہی تدبیر تھی کہ آپ کو بچایا جانے کا

عمل اب بروئے کار آئے۔

یوسف آرمیتیا اور نکدیمس جو ماہر طبیب تھا اب آگئے ہوئے تھے اور آپ کی لاش کو اپنی حفاظت میں لے چکے تھے، آپ کو صلیب سے اتار کر کتان کی اس چادر میں کفنا دیا تھا جو خوشبو دار مسالوں سے تر کی گئی تھی اور آپ کو ایک (کمرہ والی) قبر میں رکھ دیا تھا جو حال ہی میں چٹان کھود کر تیار ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ یوسف اور نکدیمس نے اس بڑی امید میں حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت کو جاری رکھا ہو گا کہ آپ کو بچایا جا سکتا ہے، کیونکہ اس دن کوئی ایسی بات وقوع میں نہیں آئی تھی جس سے انہیں یہ یقین ہو جاتا کہ آپ درحقیقت مر گئے ہیں کیونکہ یسوع مسیح علیہ السلام تیس سال کی عمر کے ایک جوان آدمی تھے ان کا جسم بھی مضبوط تھا۔ صحت بھی گرفتاری اور سزا ملنے کے وقت اچھی تھی یہ درست ہے کہ انجیل متی کے مطابق ایک کانٹوں کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا۔

(متی ۲۷: ۲۹)

گو وہ خراش پیدا کرنے والا اور تکلیف دہ تھا جس سے آپ کے سر سے خون بہنے لگا، لیکن اس صورت میں بھی آپ کی موت واقع نہیں ہو سکتی تھی۔ آپ کو جمعہ کے دن کو بعد دوپہر صلیب پر لٹکایا گیا اور شام ہونے سے پہلے آپ کو صلیب پر سے حضرت موسیٰؑ کے قانون کے مطابق جس کی پابندی کرنے کے لیے یہود بے چین تھے اتارا جانا ضروری تھا۔ تا یہود خدا کے غضب کا مورد نہ بن جائیں۔ ایسے حالات میں شام سے پہلے ان لوگوں کی یقینی موت کے وقوع کا اندازہ جو اس وقت صلیب پر لٹکے ہوئے تھے ٹانگیں توڑ دینے سے ہی ہو سکتا تھا، لیکن حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں، لہٰذا جب وہ صلیب سے اتارے گئے تو ان کے تمام اعضاء صحیح سلامت تھے۔

حضرت یسوع مسیحؑ کی ہڈیوں کا نہ توڑا جانا واضح طور پر خدائی تدبیر کا ایک حصہ تھا تاکہ آپ کو لعنتی موت سے بچایا جائے جو آپ کے دشمن آپ پر وارد کرنے کے لیے بے چین تھے حضرت یسوع مسیحؑ کو حقیقت میں دفن بھی نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ایک ایسی قبر میں رکھا گیا تھا جو ایک کمرہ کی طرح تھی جو چٹان میں کھدا ہوا ہو۔ وہ قبر جس میں آپ کو بصورت موت

دفن کرنا تھا۔ ابھی کھودی نہیں گئی تھی وہ کمرہ جس میں حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو رکھا گیا اتنا چوڑا تھا کہ اس میں لوگ آ جا سکتے تھے اور چل پھر سکتے تھے اس لیے ابھی کچھ بھی وقوع میں نہیں آیا تھا جس سے مدلل طور پر موت کے وقوع کا نتیجہ نکالا جا سکے۔

اسی لیے پیلاطس نے جسے ایسی باتوں کا خوب علم تھا یہ بتایا جانے پر کہ وہ مر گیا ہے تعجب کا اظہار کیا تھا کہ کیا وہ اتنی جلدی مر گیا ہے کیونکہ وہ اپنی بیوی کی خواب کی وجہ سے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق مسلسل ہمدردانہ رویہ رکھتا تھا اس نے صوبہ دار کے بیان پر بظاہر یسوع کی موت پر تسلی کا اظہار کرتے ہوئے فوراً حکم دیدیا کہ یسوع کی لاش یوسف آرمیتیا کے حوالے کر دی جائے۔

اس موضوع پر یہ سب باتیں قرآنی بیان کے مطابق ہیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کے مطابق خدا تعالیٰ نے حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو یقین دلایا تھا کہ وہ طبعی وفات پائیں گے اور خدا کی طرف آپ کا روحانی رفع ہو گا۔ جس کے یہ معنے ہوئے کہ آپ صلیب پر نہیں مریں گے۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ نہایت پُر معنی اور زور دار تصدیق اس امر کی موجود ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

(۴: ۱۵۶ تا ۱۵۸)

اور ان یہودیوں کا دعویٰ کہ ہم نے قتل کر دیا تھا مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو خدا کا رسول ہونے کا مدعی تھا اور (درحقیقت) انہوں نے اسے قتل نہیں کیا تھا نہ انہوں نے اسے صلیب پر مارا تھا بلکہ ان یہود کے لیے وہ مُردہ کے مشابہ کر دیا گیا تھا جن لوگوں نے اس بات میں اختلاف کیا ہے وہ اس بارہ شک میں ہیں انہیں اس بات کا صحیح علم نہیں ہے وہ صرف ظن

کی پیروی کر رہے ہیں، انہوں نے اسے یقینی طور پر قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اسے اپنے حضور عزت بخشی تھی۔ اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔"

ان دنوں حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے کئی سوانح نگاروں نے آپ کی صلیب پر موت کے متعلق سخت شک کا اظہار کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق تمام وہ حالات جو واقعہ صلیب کا احاطہ کئے ہوئے ہیں بڑے زور سے اس امر کے امکان کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام صلیبی موت سے بچ گئے تھے۔ مثلاً پیلاطس حضرت یسوع مسیحؑ کو بچانا چاہتا تھا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو صوبے کے حاکم پیلاطس کی بیوی کی صورت میں ایک مددگار مل گیا تھا اور ایسا خیال کہ اس خوبصورت نوجوان کا خون بہایا جانے والا ہے اس کے دل پر ایک بھاری بوجھ بن گیا تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ یسوع مسیحؑ نے پیلاطس کو اپنا پہلے سے ہی ہمدرد پایا تھا، کیونکہ گورنر نے آپ سے نرمی سے سوال کیا تھا اور اس خواہش کے ماتحت سوال کیا تھا کہ اسے کوئی عذر مل جائے جس کی بناء پر وہ آپ کو معافی دیکر رہا کر دے۔[1]

لہٰذا پیلاطس نے آپ کو رہا کرنے کی کوشش کی لیکن یہودی چلائے کہ اگر تم نے اس آدمی کو رہا کر دیا تو تم قیصر کے وفادار دوست نہیں ہو گے جو شخص بادشاہ ہونے کا دعوےٰ کرے وہ تو قیصر کے بادشاہ ہونے کے دعویٰ کا انکار کرتا ہے۔

یہ الفاظ سننے پر پیلاطس نے حضرت یسوع مسیحؑ کو آگے بلایا اور کرسی عدالت پر "گبا تھا" (GABBATHA) کے مقام پر بیٹھ "گبا تھا" عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی فرش کے ہیں۔ یہ دن تیاری کا دن (جمعہ کا دن) تھا اور قریبا چھٹے گھنٹے کا وقت تھا اس نے یہودیوں سے کہا اپنے بادشاہ کو لے لو، لیکن وہ چلّا کر کہنے لگے اس کو دور کر، صلیب دو پیلاطس نے انہیں کہا کیا میں تمہارے بادشاہ کو صلیب دوں۔ اس پر سردار کاہن نے

Renan, Ernest, *Life of Jesus, Christ*, p. 35[illegible]

جواب دیا ہمارا قیصر کے سوا اور کوئی بادشاہ نہیں۔ جب پیلاطس نے محسوس کر لیا کہ اس کی کوشش کوئی فائدہ نہیں دے رہی بلکہ اس کے برعکس ایک ہنگامہ برپا ہو رہا ہے اس نے پانی منگایا اور پھر اسے لیکر سب کے سامنے یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ دھوئے کہ میں اس مقدس آدمی کے خون سے بری الذمہ ہوں تم لوگ اس بات پر غور کر لو۔ اس پر تمام لوگوں نے جواب دیا۔ اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد کی گردنوں پر ہو۔ یہودیوں اور سردار کاہنوں کا شور و غل غالب آیا اور پیلاطس نے بھیڑ کی تسلی کرنے کے لیے یہ فیصلہ دیدیا کہ ان کا مطالبہ پورا کیا جاتا ہے لہٰذا اس نے ان کے لیے برّابا کو رہا کر دیا جو قتل و غارت کے جرم میں قید تھا اور جسے وہ چھڑانا بھی چاہتے تھے اور یسوع مسیح کو ان کے حوالہ کر دیا کہ وہ صلیب دیا جائے۔[2]

صلیبی موت ایک لمبا وقت لینے والی قسم کی موت ہے اور اس کے ابتدائی حصہ میں اس کی نسبت سے بہت تھوڑی ایذا پہنچتی ہے جس نسبت سے ایذا پہنچنے کا ہمیں خیال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں صرف بہت کم خون کا ضیاع ہوتا تھا میخوں سے صرف ایسے انتہائی حصوں کو چھیدا گیا ہے جو خون کی کسی بڑی رگ کو نہیں چھوتے اور جو زخم وہ پیدا کرتی ہیں ان سے خون نکلنے کو بند بھی کر دیتی ہیں۔

صلیب پر موت صرف جسمانی تھکاوٹ کے عمل اور بے چینی سے وقوع میں آیا کرتی ہے اور یہ باتیں ایسی آہستہ رفتار سے وقوع میں آتی ہیں کہ جہاں کوئی شخص معمولی تندرستی اور قوت بھی رکھتا ہو کسی صورت میں بھی بارہ گھنٹوں سے کم میں اس کی تھکاوٹ اور بے چینی انتہا کو نہیں پہنچتی، تقریباً اکثر اوقات چوبیس گھنٹوں تک وہ زندہ ہوتا ہے اور اس بارہ میں پرانی شہادات بالکل واضح ہیں اور موجودہ زمانہ کی شہادات بھی اس بارہ میں کچھ کم نہیں گو اب دنیا میں صرف بعض علاقے ہی ہیں جہاں صلیب دی جاتی ہے۔[3]

[illegible], William, *On the Physical Cause of the Death [illegible] Christ* p. [illegible]

[illegible] William, *The Life [illegible] Christ*, Vol. III, [illegible]

اس جگہ ایک ضروری حقیقت جس کا جاننا ضروری ہے اور جس کی طرف اب تک پوری توجہ نہیں دی گئی یہ ہے کہ صلیبی موت ایک لمبا وقت لینے والی سزا تھی اور یہ خون کے ضیاع کی وجہ سے مہلک ثابت نہیں ہوتی تھی، کیونکہ میخیں ہاتھوں اور پاؤں کی کسی بڑی رگ کو زخمی نہیں کرتی تھیں۔ ان میخوں کے زخموں کی جگہ سے خون بہنا بند ہو جاتا تھا۔ پس موت بوجہ اعصابی بے چینی اور انتہائی تھکان کے وقوع میں آئی تھی اور اس کی بھی مختلف صورتیں ہوتی تھیں۔ جن کا انحصار سزا پانے والے کی عمر، ضعیف جسم اور دوسرے حالات پر ہوتا تھا، لیکن ایک شخص کا ایک دن یا اس سے زیادہ دن صلیب پر زندہ رہنا ایک عام واقعہ تھا۔ بعض آدمیوں کے متعلق ایسی مثالیں بھی ملی ہیں کہ بروقت صلیب سے اتار لیا جانے اور احتیاط سے تیمار داری کیا جانے پر وہ تندرست ہو گئے اور زندہ بچ گئے۔ بہت سی صورتوں میں موت کا باعث ایک حد تک بھوک پیاس یا گرمی سردی کا ماحول ہوتا تھا یا موت مردار خوار پرندوں یا درندوں کے ذریعہ وقوع میں آتی تھی اور بعض صورتوں میں موت زائد تدابیر یعنی جلانے یا سنگسار کرنے یا سانس بند کرنے یا ہڈیاں توڑنے یا کسی اہم عضو کو چھید دینے سے وقوع میں آتی تھی۔[4] لیکن ایک نوجوان اور صحت مند انسان کا صلیب پر لٹکا یا جانے کے بعد اچانک چھ گھنٹوں میں مر جانا ایک غیر معمولی بات ہے اور اس کو ماننے والوں کے لیے ناقابل تشریح ہے۔[5]

معقولیت تو پہلی رائے سے ہی مطابقت رکھتی ہے۔ یسوع مسیح علیہ السلام جو تھوڑا عرصہ صلیب پر لٹکا رہے۔ اس کے ساتھ ہی معلومہ موت کی تاخیر جو صلیب کی صورت میں پائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی بھالے کی غیر یقینی صورت کے اثرات سب مل ملا کر موت کے وقوع کو مشتبہ بنا رہے ہیں۔[6]

4. Stroud, William, *On the Physical Cause of the Death of Christ* p. 55.

5. Ibid, p. 133.

6. Straus, Frederick *Life of Jesus*. p. 750.

ایف ڈبلیو فارر لکھتے ہیں :-

اور چونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ پر غشی طاری ہو گئی ہو جیسا کہ ہمیں ایسی مثالیں معلوم ہیں جن میں بعض آدمی بظاہر مردہ صلیب سے اتار لیے گئے تھے اور بچا لیے گئے تھے اور یسوع کے معاملہ میں چونکہ سپاہیوں کی زندگیاں کسی بے قاعدگی کی وقوع پر جوابدہ ہو سکتی تھیں اس لیے سپاہیوں میں سے ایک نے آپ کے پہلو میں اپنے بھالے کا چوڑا سرا داخل کر دیا۔[7]

مسٹر رینان ارنسٹ لکھتے ہیں :-

یہ واقعات سے ظاہر ہے کہ یسوع مسیح کی موت کے درحقیقت واقعہ ہونے کے متعلق شبہات پیدا ہو گئے تھے جو لوگ صلیبی واقعات کو روزانہ دیکھنے کے عادی تھے ان کے نزدیک چند گھنٹے صلیب پر لٹکا رہنا ایسا نتیجہ پیدا کرنے کے لیے ناکافی تھا۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کی جو صلیب دیئے گئے مثالیں پیش کی ہیں، جو بروقت صلیب سے اتارے گئے تھے اور مؤثر علاج کے ذریعہ زندہ بچا لئے گئے تھے۔ "اوریجن" (ORIGEN) بعد ازاں اتنی جلدی یسوع کے اچانک خاتمہ کی تشریح کرنے کے لیے ایک معجزہ کا ظہور ضروری سمجھتا تھا۔ اس قسم کی حیرانی کا اظہار مرقس کے بیان میں بھی پایا جاتا ہے کہ پیلاطوس حیران ہوا کہ کیا یسوع اتنی جلدی مر گیا۔[8]

مسٹر سٹراوڈ ولیم لکھتے ہیں :-

معمولی تکلیفات جو صلیب کے وقت پہنچیں (RICHTER) ریچرڈ (BETHOLINES) بیتھولائنس (GRUNERS) گرونرس وغیرہ

7. F. W. Farrar, *The Life of Christ*, Vol. 2, pp. 423—4.

8. Renan Ernest, *The Life of Jesus*, p. 371.

نے انکا گہرا تجزیہ کیا ہے، لیکن عموماً انہیں قانونی نقطہ نگاہ کو نہ ملحوظ رکھتے ہوئے اکثر بہت مبالغہ آرائی سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسیح کی موت کا جلد وقوع پذیر ہونا قرار پائے ان کے بارہ میں رچرڈ کی تشریح کا جو حوالہ پکٹوریل بائبل اون جان (یوحنا کی مصورہ بائبل) ۱۹: ۱۸ کے نوٹ میں دیا گیا ہے وہ کسی حد تک وہم پر مشتمل ہے اور اس میں کھینچ تان کی گئی ہے، تاہم آخر کار اس کا مصنف تسلیم کرتا ہے کہ وہ موت واقع ہونے کے مناسب حال شمار نہیں ہو سکتا۔ اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے پکٹوریل بائبل کا ایڈیٹر بیان کرتا ہے۔ "مزید براں صلیب کی سزا کا کوئی عمل بھی اپنی ذات میں مہلک نہ تھا دکھ اٹھانے والا کسی ناقابل الذکر تکلیف کے بڑھتے اور سزا کی صورت حال سے تھک کر مرتا تھا۔"

اس کے بعد وہ جوزیفس کا بیان جو پہلے دیا جا چکا ہے اس کے ساتھ ملاتا ہے جو اس شخص کے متعلق ہے جسے یہ تاریخ دان جانتا تھا جو بظاہر چند گھنٹوں کے لیے صلیب پر لٹکا رہا۔ صلیب سے اتارا جانے کے بعد جب اس کو طبی امداد بہم پہنچائی گئی تو وہ زندہ رہا اور تندرست ہو گیا۔

گرونرز اپنی پُرمشقت کوشش سے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ موت سے کچھ عرصہ پہلے حضرت مسیح انتہائی طور پر کمزور ہو گئے تھے۔ اس بات پر شدید اصرار کرتا ہے کہ صلیب کے معاون یا ذیلی دکھوں نے یہ نتیجہ پیدا کر دیا تھا، لیکن واقعہ کی ایک غیر جانبدارانہ تحقیقات کی رو سے ان اسباب کا موت کے لیے ناکافی ہونا واضح ہے کوڑے لگائے جانے اور ٹھٹھا کیا جانے اور صلیب کو اُٹھا کر لے جانے کی مشقت اپنی ذات میں اس سے زیادہ تکلیف دہ نہ تھی، جتنی کہ وہ دوسرے دو مجرموں کے لئے تکلیف دہ تھی جو اس کے ساتھ صلیب دیئے گئے تھے۔ یسوع مسیح کا بھوکا رہنا اور نگرانی میں ہونا گذری ہوئی شام سے زیادہ دور نہ تھا اور نہ آپ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جانا

زیادہ تھکانے والا تھا۔ کیونکہ یہ تمام جگہیں ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلہ پر ہی تھیں موسم بہار میں اکیسویں مارچ کی گرمی یورشلم میں اس کے باشندے کے لیے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہو سکتی۔ بالخصوص جب اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ مسیح کی زندگی کے آخری تین گھنٹوں میں چھٹے گھنٹے سے لیکر نویں گھنٹے سورج چھپا ہوا تھا اور وسطی افریقہ کے اس سے زیادہ گرم موسم میں مصلوب عموماً صلیب پر تین دن زندہ رہتے تھے[9]

مسیح کی موت وقوع پذیر ہونے کے متعلق ہمیں کوئی شہادت نہیں ملتی، جبکہ بہت سی ایسی صورتوں میں موت کا ثابت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، بلکہ اس لیے بھی مشکل ہے کہ ایک انجیل میں واضح بیان ملتا ہے کہ صلیب دیا جانے کے تین گھنٹہ بعد دو چور (جو مسیح کے ساتھ صلیب دیئے گئے تھے) ابھی تک زندہ پائے گئے تھے اور مسیح کی موت کا وقوع چوتھی انجیل کے مطابق ایک سپاہی کے اسے بھالا مارنے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس بارہ میں دوسری اناجیل کے صلیب کے بارہ میں تفصیلی بیانات میں ہمیں کچھ نہیں ملتا۔ اگر ہم اس بات کا تتبع کریں تو یہ فرض کرنا ممکن ہے کہ مسیح کے کسی دوست نے انہیں قبر میں بچا لیا ہوگا اور ان کے بچ نکلنے کی سہولت پیدا کر دی ہوگی۔ اس حال میں کہ وہ کفن کی چادر قبر میں ہی چھوڑ گئے۔

اسی طرح یسوع مسیح کا شام کی تاریکی میں اماؤس کی سڑک پر دکھا جانا اور شام کی تاریکی میں یوروشلم میں دیکھا جانا اور اسی طرح کچھ عرصہ قبل جھیل طبریہ کے کناروں پر دیکھا جانا اس کے قبر میں سے زندہ نکل آنے کی طبعی توجیہ ہے۔[10]

بعض لوگوں کا یہ نظریہ بھی رہا ہے کہ ہمارا آقا درحقیقت صلیب پر مرا نہیں تھا اور اس کی مفروض موت صرف ایک عارضی غشی تھی اور اس کی قیامت (یعنی دوبارہ زندہ ہونا) سے مراد محض اس کا ہوش میں آ جانا تھا۔ دراصل اس نظریہ کے رد میں

9. Stroud, William, *On the Physical Cause of the Death of Christ*, pp. 123–4.

10. Forlong, James, *Faiths of Men* Vol. 1, pp. 442—3.

مسیح کی موت کے جلد وقوع میں آنے کا نظریہ اختیار کیا گیا ہے حالانکہ اس کے برعکس بالعموم صلیب پر موت کا آہستہ آہستہ وقوع میں آتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ ہمیں ایسے آدمی معلوم ہیں جو صلیب پر چڑھائے گئے اور پھر مردہ کے مشابہ حالت میں صلیب پر سے اتارے گئے تو وہ تندرست ہو گئے یہی اثر غار میں کھدے ہوئے کمرہ (جس میں حضرت مسیح کو رکھا گیا) کی ٹھنڈی ہوا اور ان خوشبودار مسالوں سے پیدا ہوا جن سے مسیح کے جسم کو تدفین کے لیے تیار کیا گیا تھا ۔۔۔۔۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بظاہر اس کا زندہ بچ جانا آسانی سے اور کافی وجود سے سمجھ میں آسکتا ہے ۔[11]

ہربرٹ سپنسر لیوس لکھتے ہیں :

> مقدس بائیبل میں انجیل یوحنا میں صلیب سے متعلق بعض دلچسپ حقائق میں سے ایک حقیقت جو ہم پرانے ریکارڈ میں پاتے ہیں جس کا میں حوالہ دے رہا ہوں ، وہ واقعہ ہے جسے بہت سے بائیبل کا تنقیدی مطالعہ کرنے والوں نے نظر انداز کر دیا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ عام معمول تھا کہ جن کو صلیب پر چڑھاتے تھے ان کی ہڈیاں بھی توڑی جاتی تھیں ، اور ان کے اجسام صلیب پر کئی دنوں کے لیے لٹکائے رکھتے تھے ۔ تاکہ ان کے زندہ بچ جانے کا کوئی امکان نہ رہے تاہم یسوع مسیح کا جسم صلیب سے ہڈیاں توڑے بغیر اتار لیا گیا اور گو سپاہیوں نے دوسرے دو مجرموں کی ہڈیاں توڑ دیں جو یسوع مسیح کے پاس ہی صلیب پر لٹکے ہوئے تھے ۔

لیکن یہ بات کسی طرح بھی سپاہیوں کی غفلت کا نتیجہ نہ تھی کیونکہ نہ صرف یہ کہ انہوں نے مجرموں کی ہڈیاں توڑنے میں قانون کو پورا کیا بلکہ وہ اس طریق پر عمل کرنے پر اتنے سالوں سے ایسے عادی تھے کہ ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ دوسرے دو مجرموں کے متعلق اپنا یہ فرض ادا کرنے کے بعد وہ اسی لمحے تیسرے شخص کے متعلق جو صلیب پر لٹکا

11. Milligan, William, *The Resurrection of our Lord*, pp. 76—7.

ہوا تھا ۔ اپنا یہ معمول فراموش کر گئے ہوں ، ایک پرانا ریکارڈ جس کا میں حوالہ دے رہا ہوں یہ ثابت کرنا ہے کہ سپاہیوں کو ہدایت مل چکی تھی کہ یسوع مسیح کی لاش صلیب پر سے فوراً اتار لی جانی چاہیئے ۔ اس کے چھوڑ دینے کا ایک حکم آ گیا ہے ۔ لہٰذا ہر وہ بات کرنی چاہیئے جس سے یسوع مسیح اگر زندہ ہو تو ہوش میں آ جائے اس کی طاقت واپس آ جائے ۔عه

انہیں یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ وہ نہ یسوع کو زخمی کریں نہ کوئی تکلیف دیں یا کوئی ایسی بات کریں جس سے یسوع کو آرام پہنچنا متاثر ہو ، بلکہ اسے جتنی جلدی بھی ممکن ہو اس دکھ سے جس میں وہ ہے رہائی دیں ۔ اس واقعہ کی طرف توجہ دلانا بھی ایک دلچسپ امر ہے کہ اناجیل ، متی ، مرقس اور یوحنا میں کسی جگہ یہ مثبت بیان موجود نہیں کہ مسیح کے ان شاگردوں نے خود یہ دیکھا ہو کہ یسوع مسیح صلیب پر مر گئے ہیں یا وہ اس وقت مردہ تھے ، جب انہوں نے اسے صلیب سے اتارا اور قبر میں رکھا ۔[12]

انیسویں صدی کے خاتمہ کے آغاز سے ہی وقت کے گذرنے کے ساتھ ایک ایسی گواہی قابل حصول ہو گئی ہے جو اس امر کو شک و شبہ سے بالا کر دیتی ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے تھے ۔ اب ہم اگلے صفحات میں ایک ایسا امر بیان کریں گے جو اس شہادت کے متعلق بہت ہی اہم ہے ۔

عه غالباً یہ ہدایت زبانی طور پر صوبہ دار کو ملی ہو گی اور اس نے سپاہیوں کو یہ کہکر کہ یسوع مسیح مر گیا ہے صرف آپ کی ہڈیاں توڑنے سے روک دیا ہو گا ، لیکن انہیں تفصیل مذکور نہ بتائی ہو گی ورنہ ایک سپاہی بھالا سے آپ کی پسلی نہ چھیدتا ۔ (از مترجم محمد نذیر)

12. H. Spencer Lewis, *The Mystical Life of Jesus* pp. 270—71.

باب چہارم

مقدس کفن

ٹیورن کے مقدس کفن کے موضوع سے متعلق (جیسا کہ یہ کہلاتا ہے) اس باب میں ہمارا پیش کردہ تمام مواد اختصاراً — INQUESETON JESUS CHRIST BY — (انقیوسٹ اون جیزز کرائسٹ) مصنفہ جان ریبان JOHN REBAN سے لیا گیا ہے۔

یہ کتاب جرمن زبان سے WILLI FARISCHAUER (ولی فرسچاور) نے (انگریزی زبان میں) ترجمہ کی ہے اور اس کا پیش لفظ R.H. HAVER CRAFT (آر۔ایچ ہیور کرافٹ) نے لکھا ہے۔

اس کفن کی تاریخ کے متعلق ایک مختصر بیان جواب تک یقینی طور پر معلوم ہے اُس کتاب کے تیسرے باب میں لکھا گیا ہے۔ ۱۵۶۸ء سے یہ کفن کی چادر ٹیورن کیتھڈول (TURIN CATHEDRAL) کے ڈیوکس آف سیوائے (DUKES OF SAVOY) کے چیپل (چھوٹے گرجا) میں موجود ہے۔ ۴۳۲ سال کے بعد اس کفن کی عام لوگوں کو زیارت کرائی جاتی ہے جب ۱۸۶۸ء میں اس کی زیارت کرائی گئی تو اس کا فوٹو لیا جانے کی کوشش کی گئی، لیکن اس زمانہ میں فوٹو گرافی ابھی ابتدائی حالت میں تھی۔ اس کی ایک دوسری نمائش کے وقت جو ۱۹۲۱ء میں ہوئی اس کا زیادہ دقیق فوٹو گرافی کے ذریعہ امتحان لیا گیا۔ اس وقت پوری احتیاط کے ساتھ اس کے بہت سے فوٹو لیے گئے۔ اس عمل نے ایسی حیران کن باتیں ظاہر کیں جن کی طرف قبل ازیں خیال بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ان باتوں نے کفن کی چادر کا مطالعہ کرنے والوں کو اس قابل بنا

دیا کہ وہ یقینی حیران کن نتائج کو پیش کریں۔

ان میں سے ایک منفی فوٹو نے کفن کا ایک اہم پہلو ظاہر کیا جو یہ ہے کہ اس منفی فوٹو پر ایک مثبت تصویر ظاہر ہو گئی، لیکن اس منفی فوٹو پر کچھ خون کے دھبے بھی ظاہر ہوئے اور وہ منفی ہی تھے۔

گویا ایک مجسّم شخص کی تصویر تو مثبت ظاہر ہوئی اور خون کے دھبے فوٹو میں منفی صورت میں پائے گئے، سائنس دان اسے اس امر کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ فوٹو کے ان نقوش میں کسی صنّاع کا کوئی دخل نہیں۔ اتنے ہلکے اور مدھم نقوش رکھنے پر کسی مثبت تصویر کا اس طرح بنانا کہ مثبت فوٹو ایسی نازک روشنی اور سایوں کے رُخ ظاہر کر دے ایک مشکل کام ہے اور صناعی کے ذریعہ چادر پر ایک مکمل منفی تصویر بنانا بالکل ناممکن ہے۵ اس تصویر کو جب ایک بہت بڑی تصویر کی صورت میں انلارج (ENLARGE) کیا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ چادر کے کپڑے پر کسی مصنوعی رنگ کا کوئی نشان موجود نہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ کفن کی چادر نے ایک قسم کی فوٹو گرافی کی پلیٹ کا عمل کیا ہے کیونکہ یہ چادر ایلوز کے سیّال میں تر کی گئی تھی جس کا ردِّ عمل ان مسالوں پر ظاہر ہوا جو اناجیل کے بیان کے مطابق یوسف آرمیتا اور نکدیمس نے یسوع مسیح کے جسم پر (آپ کو بچا لینے کے لیے) استعمال کئے تھے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس چادر پر جو یسوع مسیح پر ڈالی گئی یسوع کے جسم کی تصویر پیدا ہو گئی۔ یہ تصویر چادر پر جسم سے اس وقت خون کا بہنا بھی ظاہر کر رہی ہے، جب کہ یسوع مسیح کے جسم کو اس چادر پر لٹایا گیا۔

۱۹۵۹ء میں یسوع مسیح کے کفن کی چادر کے متعلق جرمن ریسرچ کنونشن GERMAN RESEARCH CONVENTION (FOR THE SHROUD)

۵ چونکہ چادر پر جو منفی نقوش ہیں وہ فوٹو گرافی کی ایجاد سے پہلے کے زمانہ کے چلے آ رہے ہیں جبکہ منفی تصویر کا کوئی تصور ہی موجود نہ تھا، کیونکہ یہ تصور تو کیمرہ کی ایجاد نے دلایا ہے لہٰذا چادر پر منفی نقوش کی صناعی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

(نوٹ از ترجمہ کنندہ)

نے پوپ XXIII تسیویں سے درخواست کی کہ وہ کفن والی چادر سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا دیا جانے کی اجازت دیں تاکہ اس پر زمانہ حال کی سائنسی دریافتوں اور طریق کار کے مطابق مزید تجارب کئے جائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ خون کے دھبوں کا کیمیاوی اور خوردبینی امتحان کیا جائے اور خود کفن کے تانے بانے کا مختلف قسم کی شعاعوں ایکس ریز انفراریڈ ریز اور الٹراوایولٹ ریز کے ذریعہ امتحان کیا جائے اور بذریعہ ایٹم کلاک کاربن ۱۴ کے عمل سے کفن کی چادر بنائے جانے کا معیّن زمانہ معلوم کیا جائے۔ یہ درخواست نامنظور ہوئی جیسے پوپ کے علاوہ ٹیورن اتھاری ٹیز (حکام) نے بھی منظور نہ کیا۔

تاہم معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال کے پوپ ششم نے اس کے لیے منظوری دیدی ہے اور اب یہ توقع ہے کہ کفن کی چادر کا ایک ٹکڑا اپریل ۱۹۷۰ء میں مزید سائنسی تحقیقات کے لیے مل سکے گا۔

کتاب انقیوسٹ (INQAUEST) بتاتی ہے کہ ہمیں یقین حاصل ہے کہ یسوع مسیح صلیب پر مرنا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لیے تو آپ کا موت سے ڈرنا مذہبی لٹریچر (EVANGELISTS) میں بیان ہوا ہے، جہاں موت خوش آئند ہوتی ہو وہاں انسان پر ڈر کا کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔ اگرچہ یسوع مسیح جانتے تھے کہ ان کا دُکھ اُٹھانا ضروری اور لازمی ہے مگر وہ لعنتی لکڑی یعنی دار و صلیب پر مرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایسی موت کے متعلق اُن کا خوف ہم پر آپ کی جاذب توجہ اور معنی خیز دعاؤں سے خوب واضح ہے لکھا ہے:۔

"وہ کچھ آگے بڑھا اور اس نے سجدہ کیا اور یہ کہتے ہوئے دعا کی۔ اے میرے باپ اگر یہ ممکن ہے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ تاہم نہ جیسا کہ میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا کہ تو چاہتا ہے"۔

(متی ۲۶: ۳۹)

اس اقتباس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ایک آدمی جو اپنی مرضی سے اپنے آپ کو قربانی والی موت کے لیے پیش کرنا چاہتا ہو اس سے یہ امید نہیں

کی جا سکتی کہ وہ سجدہ کرے اور سخت پریشانی میں یہ دعا کرے کہ موت کا پیالہ اس سے ٹال دیا جائے۔

اگر موجودہ زمانہ کے ملنے والے لٹریچر کی بجائے کوئی شخص انبیاء کے زمانہ کی کتابوں کے متون سے واقف ہو تو یہ مسئلہ بالکل ایک مختلف صورت اختیار کر لیتا ہے انبیاء کی کتابوں کا متن یہ راہنمائی کرتا ہے کہ یسوع مسیح لوگوں کی خاطر بہت دُکھ اٹھائیگا لیکن آخر کار خدا تعالیٰ اسے بچا لیگا اور پھر وہ سربلند ہوگا۔

یہ لٹریچر موت کے اس عجیب خطرہ کی تشریح کر رہا ہے جو موجودہ مسیحی تعلیم سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ یسوع مسیح یہ جانتے تھے کہ وہ گرفتار کیا جائے گا مجرم قرار دیا جائیگا۔ کوڑے لگایا جائے گا۔ اور صلیب پر چڑھایا جائیگا، لیکن اسے یقین تھا کہ وہ بچا لیا جائیگا اور اس کے بعد ترقی کرے گا اور زندہ رہے گا۔ یہ بات عہدنامہ کی بہت سی پیشگوئیوں میں جو یسوع مسیح کے زمانہ میں ملتی تھیں، موجود تھیں۔

لہٰذا جس راہ کو مسیح نے عبور کرنا تھا اس کا علم (ان پیشگوئیوں) کی بنا پر اس کے دل پر ایک بوجھ تھا، رومنوں کے صلیب دینے کا طریق ایسا مکمل تھا کہ اس سے یہ اُمید پیدا نہیں ہوتی تھی کہ نبیوں کی پیشگوئیاں پوری ہونگی، تاہم اس کے لیے مقدس نوشتوں اور خدائی تقدیر کے مطابق عمل کرنا ناگزیر تھا۔ یسوع مسیح کو موت کا جسقدر خوف تھا مرقس (۱۴: ۳۶) کے بیان سے ظاہر ہے۔ یسوع مسیح نے کہا:

"اے باپ سب چیزیں تیرے لیے ممکن ہیں یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے" تاہم نہ اس طرح جس طرح میں چاہتا ہوں بلکہ جس طرح تو چاہتا ہے"۔

گویا مسیح نے سیدھے واضح طور و طریق سے خدا باپ کو مخاطب کرکے یہ التجا کی کہ وہ اسے بچا لے۔ کیونکہ اس نے درخواست کی کہ" یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے"۔

اس کا صریح۔ واضح اور قطعی نتیجہ یہ ہے کہ یسوع مسیح علیہ السلام صلیب پر مرنا نہیں چاہتے تھے۔

آج کے زمانہ میں ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ اس بارہ میں ایک ایسے بیان کا اضافہ کرسکیں جو ایک سائنٹفک دلیل نے مہیا کیا ہے جیسا کہ آپ آگے چل کر دیکھیں گے کہ خدا باپ نے جس سے یسوع مسیحؑ نے موت سے بچنے کی دعا کی تھی، بیٹے کی یہ دعا قبول کرلی اور موت کا پیالہ ٹال دیا اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا یہ ارادہ ہرگز نہیں تھا کہ یسوع کو صلیب پر مرنے دے۔

یہی ایک ایسا متنازعہ مسئلہ ہے۔ جس کے حل کے لیے یہ کتاب ایک وسیع اور مفصل ثبوت مہیا کرتی ہے۔

تمام متعلقہ اصلی دستاویزات جو کفن کی چادر سے متعلق ہیں پوپ پیس یازدہم (POPE PIUS XI) کے قبضہ میں تھیں اور اسکے ماہر عملہ نے ان کی تفتیش و تصدیق میں کئی سال خرچ کئے۔ ۶ ستمبر ۱۹۳۶ء کو پوپ نے اس تفتیش کے نتیجہ کا خلاصہ مندرجہ ذیل اعلامیہ کی شکل میں پیش کیا۔

"کفن کی چادر پر روحانی منجی کے نقوشِ جسم موجود ہیں، تصویر کے یہ نقوش ہمارے خیال کے مطابق بہت ہی خوبصورت بہت متاثر کرنے والے اور نہایت ہی پیارے ہیں۔ مقدس کفن کے یہ نقوش براہ راست اسی وجود سے حاصل ہوئے ہیں جو ایک سربستہ راز بنا ہوا ہے۔ یہ بات محتاط طور پر کہی جا سکتی ہے کہ ٹیورن کے مقدس کفن کی چادر پر جو نقوش قائم ہیں وہ کسی انسانی ہاتھ کا نتیجہ نہیں۔ ہم جو کہتے ہیں کہ یہ ایک سربستہ راز ہے یہ اس لیے کہتے ہیں کہ ابھی اس معاملہ میں ایسا بہت کچھ باقی ہے جس کی ابھی تشریح نہیں ہوئی۔ یہ کفن سب چیزوں سے بڑھ کر مقدس ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات بالکل قطعی اور یقینی ہے کہ یہ انسانی ہاتھ کا کام نہیں۔"

رومن چرچ کے بڑے ذمہ دار محکمہ کا یہ واضح بیان جو کفن مسیحؑ کے مستند ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ ۷، ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء کو ویٹیکن کے سرکاری آرگن (OSSERVATORE ROMANO) اَسّرویٹورو رومانو میں شائع ہوا تھا۔

پانچ رومن پوپوں نے اس یادگار کا احترام کیا ہے جو سکسٹس چہارم، جولیس دوم، کلیمنٹ ہفتم اور گریگوری سیزدہم ہیں۔ پانچویں پوپ بینی ڈکٹ چہاردہم کو جو مذہب کے اختلافی مسائل کے متعلق ایک ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں، اس کفن کے بارہ میں کہنا پڑا ہے کہ یہ کفن جو ٹیورن میں موجود ہے، ہمارے خداوند (یسوع مسیحؑ) کی ایک بہت ہی خاص نشانی ہے اور پوپوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے یہ ہو بہو وہی ہے جس میں یسوع مسیحؑ کو لپیٹا گیا تھا۔

تیس سے زیادہ رومن پوپوں نے اس کفن کی تصدیق کی ہے انہیں میں پوپ پیس یازدہم بھی ہے جو ایک ماہر آثار قدیمہ اور عالمی شہرت رکھنے والے سائنس دان ہیں۔

پس اگر خدا تعالیٰ یسوع مسیحؑ کی حفاظت کرنا ضروری جانتا تھا تو اسے یسوع مسیح کو بچا لینا چاہیئے تھا اور یقیناً اسے صلیب پر مرنے نہیں دینا چاہیئے تھا جسے موسیٰ نے لعنتی لکڑی قرار دیا ہے۔

یسوع مسیحؑ خود اعتماد رکھتے تھے کہ بائیبل کی پیشگوئیوں کے مطابق وہ بچا لیے جائیں گے لیکن ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب صلیبی واقعہ اپنے عروج پر پہنچا جو مذہبی تاریخ کا ایک فیصلہ کن لحظہ تھا تو خود یسوع مسیح شک کرتے اور ناامید ہونے لگے جبکہ آپ نے یہ کہا:۔

"اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

یسوع مسیح جانتے تھے کہ اگر وہ صلیب پر مر گئے تو اس کے موسیٰ کے قانون کے مطابق یہ معنی ہیں کہ خدا نے اسے چھوڑ دیا ہے یہ قوانین یہودیوں کو کہنے کا حق دیتے تھے کہ یسوع کی خدا نے تائید نہیں کی کیونکہ وہ صلیب پر مر گئے۔ یہودیوں کی تاریخ تو

سراسر یہ دکھاتی ہے کہ یسوع مسیح لعنتی صلیب پر مر گئے، لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں بچا لیا اور صلیب پر مرنے نہیں دیا اور اس طرح بچا لیا جس طرح مقدس بائیبل کی پیشگوئیاں تھیں اور جیسا کہ ربیّ بھی خود یہ امید رکھتے تھے کہ خدا مسیح کو بچائے گا۔ اصلی کفن یسوع مسیح کا اس بات کا ایک مثبت ثبوت مہیا کرتا ہے۔

کئی سالوں تک کفن کے تمام پہلوؤں پر گہرے مطالعہ کے بعد ڈاکٹر تھیوڈور ہرٹ (DR, THEODOR HIRT) نے جو ایک جرمن یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اپنی تحقیقات کے نتائج ویٹیکن کے کانگریگیشن سکرٹری کے سامنے پیش کئے۔

اس نے بیان کا خلاصہ یہ پیش کیا ہے کہ کفن پر جو نقوش نمایاں ہیں درحقیقت یہ ایک جسم کے نقوش ہیں اور اس سے مندرجہ ذیل امور ظاہر ہیں۔

۱۔ ایک بھالے کا زخم موجود ہے مگر دل زخمی نہیں ہوا۔

۲۔ جسم کو صلیب سے اتارا جانے کے وقت دل اپنا کام کر رہا تھا۔

۳۔ اس بات کی یقینی شہادت ہے کہ اس وقت بھی دل اپنا کام کر رہا تھا جب جسم کو صلیب سے اتار لیا گیا اور کفن کی چادر میں لپیٹا گیا۔

اب یہ شہادت جو مہیا ہو چکی تھی بہت سے لوگوں کے علم میں لائی گئی اور مزید تحقیقات جاری ہو گئی اور بہت سے ماہرین سے اس بارہ میں پوچھا جانے لگا، جنہوں نے کئی بار یہ تسلیم کیا کہ یہ گواہی سائنٹفک طور پر بالکل درست ہے اور قابل اعتماد ہے پورے طور پر مثبت جوابات حاصل کرنے کے لیے یہ معمول رہا کہ بہت سے واقعات کے بیان میں یسوع مسیح نام بالکل نہ لیا جائے، مقصد یہ تھا کہ وہ رائے حاصل کی جائے جو خالصۃً سائنٹفک بنیادوں پر ہو اور مذہبی امور سے متاثر شدہ نہ ہو۔

اب نتیجہ یہ ہے کہ یہ بات ہر اختلاف سے بالا ہو کر بلا شک و شبہ ثابت ہو چکی ہے کہ یسوع مسیح کا دل اس وقت حرکت کر رہا تھا جبکہ اس کا جسم صلیب پر سے اتارا گیا۔

پروفیسر ہرٹ نے فوٹو گرافی کی تصاویر سے شہادت مکمل کرنے اور نتائج بیان

کرنے کے بعد اپنے بیان کے آخر میں کہا ہے:۔

مختصر طور پر میں اس امر پر ایک دفعہ پھر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اس بات کی بہت بڑی شہادت موجود ہے اور اس کے متعلق بہت تصدیقات موجود ہیں کہ یسوع کا دل اس وقت بھی کام کر رہا تھا جب وہ صلیب پر تھا اور جب وہ صلیب سے اتارا گیا اور اس شہادت کو کسی دلیل سے ردّ نہیں کیا جا سکتا۔"

مسٹر سولومن اسلیمان نے جس نے عجیب اتفاق کے ساتھ کولون یونیورسٹی میں (COLOGNE) پروفیسر ہرٹ کے لیے اظہار خیال کا موقعہ فراہم کیا تھا نیو یارک واپس جا کر اپنے گہرے دوستوں کے حلقہ کو سارے معاملہ سے آگاہ کیا اور آخر میں کہا:۔

"تم خیال نہیں کر سکتے کہ میں کیسی ذہنی الجھن میں تھا جب میں نے کولون یونیورسٹی کو چھوڑا۔ میں اچھل کر ایک ٹیکسی میں سوار ہوا اور قریب ترین پاک امریکن ایرویز کے دفتر میں پہنچا تا نیو یارک جانے کے لیے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خرید وں، مَیں نے ہوٹل سے اپنی اشیاء اکٹھی کیں اور ٹھیک بر وقت میں ہوائی جہاز پر سوار ہو گیا، کفن کے متعلق یہ دریافتیں تمہیں جو عیسائی ہو کسی اور رنگ میں محسوس ہوں گی مگر مَیں جو یہودی ہوں میرے لیے یہ چیزیں بوجہ ایک یہودی ہونے کے بہ نسبت ایک جرنلسٹ ہونے سے زیادہ اہم ہیں میرے حواس وقت مجتمع ہوئے جب میں ہوائی جہاز میں بیٹھ گیا۔ لمبے ہوائی سفر نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں اس معاملہ پر خاموشی سے غور کروں، نیند تو اُڑ چکی تھی۔

میں اس کو کیسے بیان کروں کہ میرے دماغ میں خیالات اس نقرہ کے گرد گھوم رہے تھے کہ یسوع نے صلیب پر جان نہیں دی اس سے مجھے یہ سمجھ آیا کہ یہودیوں نے مسیح کو درحقیقت قتل نہیں کیا

اور نہ قتل کر سکتے تھے شاید آپ لوگ سمجھ نہیں سکتے میرے احساسات کیا ہیں۔ چند ہی گھنٹوں کے اندر میں مجبور ہو گیا کہ میں ایک ذاتی فیصلہ کر دوں، یہ بات درست ہے کہ شروع میں میں اس معاملہ کو ایک اخبار نویس کی حیثیت سے دیکھتا تھا، لیکن ایسے معاملہ پر کون اپنی ذات کے دو حصّے کر سکتا ہے۔ آپ جیسے عیسائیوں کو یہ معاملہ اپنے رنگ میں متاثر کرتا ہے اور ہم جیسے یہودیوں کو اپنے رنگ میں، لیکن اُسی شدت سے ہمارے لیے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ہم یہودی یسوع کو قتل نہیں کر سکتے تھے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ وہی کچھ تھا جیسا اس نے ہمارے سامنے دعویٰ کیا تھا — یعنی ہمارا مسیح۔ یہی تو ایک وجہ تھی کہ قریباً گذشتہ دو ہزار سال سے یہودی یسوع مسیح پر ایمان نہیں لا سکے۔

لیکن اس واقعہ سے (کہ مسیح نے صلیب پر نہیں مرے) ہر بات تبدیل ہو جاتی ہے، ہم یہودیوں نے اپنے اندھاپن سے اسے قتل کرنے کی کوشش کی اور پھر ہم نے یقین بھی کر لیا کہ ہم نے اسے قتل کر دیا ہے اس بے بصیرتی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ہمیں، ہمارے آباؤ اجداد کی زمین سے نکال دیا اور قریباً دو ہزار سال براہ راست یا بالواسطہ اس نے ہمیں سزا اور عقوبت کا نشانہ بننے دیا، لیکن جیسا کہ اب ظاہر ہو رہا ہے ہمارا جرم چونکہ مکمل نہیں تھا، اس نے ہم پر ہمارے آباؤ اجداد کی زمین کے دروازے پھر کھول دیئے۔"

لیکن سولومن (سلیمان) کا معاملہ یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتا کیونکہ کچھ عرصہ بعد وہ پھر کولون یونیورسٹی میں گیا اور اس نے پروفیسر ہرٹ سے ایک لمبا تبادلہ خیالات کیا۔ اس تبادلہ خیالات کے دوران پروفیسر ہرٹ نے سولومن کی توجہ چاروں اناجیل نویسوں کی طرف مبذول کی جنہوں نے حضرت مسیح کے صلیبی انجام کو بیان کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ "اس نے دم دے دیا یا دم دینے کے لیے یونانی لفظ اس

جگہ (PNEUMA) نیوما استعمال ہوا ہے وہ آگے کہتا ہے کہ "پرانے زمانہ میں نیوما کی اصطلاع ہر اس امر کے لیے استعمال ہوتی تھی جو انسانی جسم کی طبعی زندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ دوران خون اور اس کا عمل اس زمانہ میں بالکل نامعلوم تھا۔ اسی طرح دل کی حرکت کا زندگی کی فیصلہ کن علامت ہونا بھی ابھی نامعلوم تھا۔ صرف سانس کا چلنا زندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

پرانے زمانہ میں موت کا وقوع اس وقت یقینی سمجھ لیا جاتا تھا جب جسم میں نیوما نہ پایا جائے، اگر سانس رک جائے تو اس کے یہ معنے سمجھے جاتے تھے کہ نیوما نے جسم کا تعلق چھوڑ دیا ہے اور آدمی مر چکا ہے۔ اس عمومی مسلّمہ امر کے نقطہ نظر کے مطابق دار پر لٹکایا جانا گلا گھونٹ دینا اور پانی میں ڈوب جانا قابل شرم موت خیال کی جاتی تھی۔ اس لیے کہ یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ایسی موت نے نیوما کو جسم کے اندر ہی ہلاک کر دیا ہے اور اسے دوسری دنیا میں داخل ہونے سے روک دیا ہے۔

اس زمانہ کا حال یہی تھا۔ ہمارے نزدیک نئی زندگی پانے کا جو مفہوم ہے وہ اس زمانہ میں نامعلوم تھا۔ پہلا آدمی جسے یہ شبہ پیدا ہوا کہ نیوما کا جسم سے تعلق ٹوٹ جانا (یعنی سانس کا بند ہونا) انسان کی موت نہیں۔ رومن ڈاکٹر جالینوس (GALEN) ہے جو دوسری صدی کا آدمی ہے۔

نیوما ایک عام اصطلاح تھی۔ پرانے زمانہ میں لڑائی میں سپاہی دشمن کی چھاتی کو نشانہ بناتا تھا۔ ساری چھاتی ہدف خیال کی جاتی تھی کیونکہ یہ معلوم تھا کہ چھاتی کو زخمی کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نیوما جسم کو چھوڑ دے گی اور موت واقع ہو جائے گی۔

موجودہ زمانہ کی ایک میڈیکل اصطلاح نیوموتھارک (PNEUMOTHORAC) ہے۔ یعنی پھیپھڑے کے عمل کا رک جانا۔ چونکہ اس صورت میں ہوا۔ چھاتی میں گھس جاتی ہے لہٰذا یہ حالت خطرناک ہے، لیکن ہمیشہ اس کا نتیجہ موت نہیں ہوتا۔ یسوع مسیح کے معاملہ میں یہ تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ پھیپھڑوں کا عمل بحالا مارا جانے سے

پہلے ہی ختم ہو چکا تھا، چونکہ چھاتی کے زخم کا نتیجہ سانس کا بند ہو جانا ہوا کرتا ہے لہٰذا نیوما دے دینے کو (دم دے دینے) کے مترادف سمجھا جاتا تھا، اس زمانہ میں گویا یہ موت کا وقوع ہونا تھا۔ پس اس زمانہ میں واقعات جیسے بظاہر دکھائی دیتے تھے ان کا مفہوم یہ لیا جاتا تھا کہ آدمی کی موت واقعہ ہو گئی ہے۔

پس یسوع مسیحؑ کے زمانہ کے لوگوں کے لیے یسوع مر گیا تھا، لیکن ہمارے زمانہ کے طبّی مفہوم میں وہ مرا نہ تھا۔ جس امر کو ہم طبّی موت کہتے ہیں۔ وہ ایک مختلف قسم کی موت ہے۔ جس سے پہلے زمانہ کے لوگ ناآشنا تھے۔

ہمارے زمانہ میں طبّی موت کو ہی حقیقت میں موت کا وقوع سمجھا جاتا ہے۔ آجکل دم دے دینا (یعنی سانس کا بند ہو جانا) موت کے مترادف نہیں ہے بلکہ جب دل حرکت کرنا بند کر دے تو اس وقت طبی اصطلاح میں حقیقی موت کا وقوع میں آنا سمجھا جاتا ہے۔ حرکت قلب اور دورانِ خون ہی زندگی کا معیار ہیں۔ یسوع مسیح مرے نہیں تھے کیونکہ صلیب پر لٹکایا جانے کے بعد (اتارا جانے تک) ان کے دل کی حرکت جاری تھی۔

نیوما دے دینے (یعنی سانس بند ہو جانے) کا مطلب یہ تھا کہ موت وقوع میں آ چکی ہے یعنی کلاسیکی مفہوم میں زندگی موجود نہیں رہی تھی کیونکہ سانس لینا زندگی کا ایک حصہ تھا، لیکن (RESURRECTION) دوسری زندگی کے لیے جیسے خدا نے چاہا اور اس نے اس کی تدبیر کی۔ (یسوع مسیحؑ کے) دل کا مسلسل عمل کرتے رہنا خدا کا ایک خاص مقصد تھا، کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اسی جسم کو دوسری زندگی (RESURRECTION) ملے۔ یعنی اسی گوشت پوست کو دوسری زندگی ملے۔ جو مسیحؑ کو حادثہ صلیب سے پہلے حاصل تھا۔ صلیب پر لٹکائے جانے کے بعد کی اصلی حقیقت زندگی کا پورے طور پر تسلسل قائم رہنا ہی ہے جسے علمائے دین نے قریباً دو ہزار سال سے چھپائے رکھا ہے وہ یسوع مسیحؑ کی اصلی اور سچی طبعی دوسری زندگی (RESURRECTION) کے متعلق بصیرت نہیں پا سکے۔ لیکن یسوع مسیحؑ کے اس زمانہ کے واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دوسری زندگی کے

وقوع سے پہلے اس کا وہی جسم جو پہلے تھا وہی بعد میں بھی تھا اور یہی طبعی امر خدا کی تدبیر میں مقدر تھا کیونکہ بلاشک وشبہ یہ سارا عمل خدا کی تدبیر تھا، یسوع مسیحؑ سے کئی صدیاں پہلے کی پیشگوئیاں ان حالات کو (جو یسوع مسیح کو پیش آئے) پوری وضاحت کے ساتھ پہلے سے بیان کر رہی ہیں۔ یسوع مسیحؑ نے خود ان پیشگوئیوں کو اپنے متعلق قرار دیا ہے اور پہلے سے بتا دیا تھا کہ وہ سزا دیا جانے کے لیے حوالہ کیا جائیگا۔ صلیب پر چڑھایا جائیگا اور دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔

اس بیان پر پروفیسر ہرٹ سے دریافت کیا گیا، کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ یسوع بحیثیت ایک انسان کے ہی ٹھیک ٹھیک طرح آئندہ پیش آنے والے واقعات کو جانتا تھا؟ اور اُسے نئی زندگی کے قائم ہونے کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی جو ظاہر ہونی تھیں، معلوم تھیں۔؟

پروفیسر ہرٹ نے اس کے جواب میں کہا، نہیں یہ بات خدا کی تدبیر میں نہ تھی کہ یسوع کو تمام تفصیلی اور جزدی باتوں تک کا علم ہو اور اسے ان کا علم تھا بھی نہیں ورنہ وہ صلیب پر کبھی بحالت تعجب یہ نہ کہتا۔ "اے میرے خدا! اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے۔"

پس اسے خدائی تدبیر کے متعلق تفاصیل معلوم نہ تھیں۔ اگر اسے تفاصیل کا علم ہوتا تو اس کی انسانیت کا پہلو اس طرح واضح طور پر ظاہر نہ ہوتا بلکہ اندرونی مزاحمت اسے اور قسم کے رویہ ظاہر کرنے کا یقین دلاتی۔ کیونکہ وہ آخرکار ایک انسان تھا اگر وہ تفاصیل کو جانتا ہوتا تو خدائی تدبیر کو خطرے میں ڈال دیتا اور یہ بات تو بالکل یقینی ہے کہ خدا کا یہ ارادہ تھا کہ وہ فریسیوں اور صدوقیوں اور رومنوں کو بے بصیرت کر دے تا اس کی اپنی تدبیر تکمیل پائے۔

اس موقعہ پر پروفیسر ہرٹ سے دریافت کیا گیا، کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تمام صحیح علم جو انسان حاصل کرتا ہے اور دریافت کرتا ہے وہ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟ اس کا جواب پروفیسر ہرٹ کی طرف سے یہ تھا کہ خدا کی مرضی کے برعکس ہرگز

وقوع میں نہیں آتا۔

پوپ پیئس دوازدہم (PIUS XII) نے ایک موقعہ پر ڈاکٹروں کے ایک مجمع سے خطاب کیا اور اس نے موت اور زندگی میں امتیازی لائن کے بارہ میں چرچ کے موقف کو چھوتے ہوئے بیماروں کو مصنوعی طور پر آکسیجن دیکر دوبارہ زندگی دینے کے عمل کو بیان کیا اور کہا مثال کے طور پر فالج کی صورت میں یا دم گھٹنے کی علامات ظاہر ہونے پر اس کا استعمال اخلاقاً جائز ہے۔ خطاب کے بعد پوپ سے پوچھا گیا چرچ کے نقطہ نگاہ میں کس ٹھیک لمحے موت وقوع میں آتی ہے؟ کیا یہ اس وقت وقوع میں آئی جب سانس بند ہو جاتے یا کہ دوران خون رک جائے؟

پوپ کا جواب یہ تھا کہ کوئی مذہبی معیار تو اس کے لیے موجود نہیں لہٰذا اس کا جواب کوئی ڈاکٹر ہی مہیا کر سکتا ہے۔

اب اس قول کو یسوع مسیح کے معاملہ پر چسپاں کریں تو ہمیں پوپ کے بیان کی رو سے جو اس بارہ میں ایک اتھارٹی ہے، میڈیکل سائنس پر ہی اعتماد کرنا پڑے گا اور میڈیکل سائنس یہ بتاتی ہے کہ طبعی زندگی کا خاتمہ اس وقت ہوتا ہے جب دوران خون بند ہو جائے لہٰذا یسوع مسیح کے معاملہ میں صلیب پر اس کی زندگی کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔

ان تمام صدیوں میں تحقیقات نے مسیح کی صلیبی موت کی کوئی ٹھیک ٹھیک تشریح پیش نہیں کی بلکہ کم از کم بھی کوئی ایسی تشریح پیش نہیں کی جو تنقید کے سامنے ٹھہر سکے۔

طبی پہلو سے تین ایسے بڑے نقاط کا جواب ضروری ہے جن میں سے ہر ایک کو دوسرے نقاط سے پوری مطابقت رکھنی چاہیئے۔

۱۔ یسوع نے اپنے مصائب کی راہ میں کوئی مہلک دکھ نہیں اٹھایا۔

۲۔ اس جگہ یسوع مسیح کے حالات اور صلیب پر سخت زخمی ہو کر مرنے والے شخص کے حالات میں ایک واضح تضاد موجود ہے۔ یسوع مسیح اناجیل کے مطابق

آخیر تک پوری ہوش میں تھا۔

۳۔ یسوع کے انجام کا ظہور اچانک ہوا۔ فی الحقیقت اسے اس سے پہلے کوئی انتباہ نہیں ہوا تھا۔

ان تینوں نقاط پر محتاط غور و فکر اور ان کے باہمی تقابل اور موت کے تمام ممکنہ اسباب کے تقابل کے بعد صرف حرکت قلب کے بند ہو جانے کا معاملہ باقی رہ جاتا ہے۔ حرکت قلب کا بند ہونا موت کے ان کئی اسباب کی ایک مجموعی ہیئت ہوتی ہے جن اسباب کے جمع ہو جانے پر دل کی حرکت دفعتاً بند ہو جاتی ہے۔

تاہم اس جگہ یسوع مسیح کے معاملہ میں حرکت قلب کا بند ہو جانا دو وجوہ کے پایا جانے کی وجہ سے ہرگز وقوع میں نہیں آ سکتا تھا۔

اول: ایک ۳۳ سال کا جوان اور صحت مند آدمی عموماً حرکت قلب بند ہونے کی موت سے نہیں مرتا۔

دوم: یسوع مسیح کے متعلق ایک ایسی علامت ہمیں ملتی ہے جو بلاشک و شبہ حرکت قلب کے بند ہو جانے کو ناممکن ٹھہراتی ہے۔ حرکت قلب بند ہونے سے پہلے مرنے والا اس قابل نہیں ہوتا کہ بلند آواز سے گفتگو کر سکے یا چلا کر یہ الفاظ کہہ سکے "تمام ہوا" یہ فقرہ تو پہلے سے اس مفروض امر کا پورے طور جان لینا ظاہر کرتا ہے کہ انجام آ پہنچا ہے پورے طور پر سمجھ لینا اور یہ فقرہ کہنا دونوں چند لمحے چاہتے ہیں لیکن حرکت قلب کے بند ہونے کی وجہ سے مرنے والے کو تو ایک لمحہ بھی نہیں ملتا۔

لہٰذا اس جگہ ایک ایسا عمل پایا جا رہا تھا جو خوف کے وقت سے لیکر سر جھکا دینے تک ۱۵ سے ۴۵ سیکنڈ کے درمیانی وقفہ کو چاہتا تھا۔

یسوع کے حالات کے تسلسل میں ایک چھوٹے سے امر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے یا اس کے متعلق ٹھیک طور پر غور و فکر نہیں کیا گیا۔

بلا شک و شبہ (یسوع مسیح کے) سانس کا بند ہو جانا ایک متحقق معاملہ ہے لیکن شہادات کی زنجیر میں اس جگہ ایک کڑی گم ہے یہ کڑی گو چھوٹی سی ہے، لیکن

ہے بڑی اہم ۔ سانس کے بند ہو جانے پر آدمی کے نزدیک ٹیورن کے کفن کی چادر کی فوٹوگرافی کی تصاویر صاف طور پر ظاہر کر رہی ہیں، لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سانس کی بندش جو آہستہ رفتار سے جاری تھی یکدم کیوں انتہائی حالت کو پہنچ گئی؟

ایک صلیب پر لٹکا ہوا آدمی سانس بند ہونے سے صرف ایک منٹ پہلے ایسی حالت میں نہیں ہو سکتا کہ وہ بلند اور صاف آواز سے جو سب لوگوں کو سنائی دے پانی طلب کرے ۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ اس وقت سانس بند ہونے کی تکلیف اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی ۔ یسوع مسیح کے الفاظ "کہ میں پیاسا ہوں" خود مشکل سے ہی کہے جا سکتے ہیں (چہ جائیکہ بلند آواز سے کہے گئے ہوں) لیکن یہ الفاظ ضرور کہے گئے ہونگے کیونکہ اناجیل میں ان کے (بلند آواز میں) کہے جانے کا ذکر موجود ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ سانس بند ہونے کی تکلیف اس وقت اپنی انتہا کو نہیں پہنچی ہوئی تھی، البتہ غالباً سانس کا رکنا اس وقت اپنے تیسرے اور آخری مرحلہ پر تھا، لیکن یہ امر صحیح طور پر اس بات کو واضح نہیں کرتا کہ صرف دو منٹ بعد مسیح کے دم دینے کا واقعہ کس طرح وقوع میں آگیا؟ (یعنی وقوع میں نہیں آسکتا تھا)

اس نازک مرحلے کے متعلق اس زمانہ کے واقعات کی تحقیقات بھی ہمارے اس موقف کی مؤید ہے ۔

جب کفن کی چادر کے متعلق تحقیقات اس نقطہ پر پہنچی جہاں کہ سانس کا رکنا موت کا ایک محقق سبب سمجھا گیا تو مسیح کی زندگی اور موت کی حقیقت بالکل نمایاں ہو گئی ۔

۱- ٹیورن کے کفن کے نقوش یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دم کا گھٹ جانا ایک طبعی حالت تھی ۔

۲- موت کا طریق اس قسم کا تھا کہ طبی تجربہ ہر مرحلہ پر صلیب پر چڑھایا جانے کے شروع سے لے کر یسوع مسیح کے یہ کہنے تک کہ میں پیاسا ہوں ہماری راہنمائی کرتا ہے اس لمحہ کا واضح تحقیق دو منٹ بعد وقوع میں آتا ہے ۔

جبکہ یسوع مسیح نے دم دے دیا ۔

۳- عام حالات میں دم گھٹنے سے مرنے والے کی موت کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسے بدقسمت انسان کے لیے صاف آواز میں گفتگو کرنا اور وہ بھی صرف ایک منٹ دم دینے سے پہلے بالکل ناممکن ہے ۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک خلاف معمول معاملہ تھا، نفسیاتی غور و فکر بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسی حالت میں بولنے کے قابل ہو تو جس چیز کی اسے خواہش ہوگی وہ پانی یا پینے کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ہوا ملنے کی خواہش کریگا کیونکہ بالضرور اس کو سمجھنا پڑے گا - اگر اسے ہوا نہ ملی تو اس کا سانس بند ہو جائے گا ۔

یسوع مسیح کا پینے کی چیز طلب کرنے کا معاملہ اس حقیقت پر ٹھیک ٹھیک روشنی ڈالتا ہے کہ ایسے وقت کسی چیز کا پینا اسی وقت ممکن ہو سکتا تھا جبکہ ہوا کی نالیاں درست حالت میں ہوں، چونکہ یسوع مسیح کی ہوا کی نالیاں اور سانس لینے کے اعضا اس وقت عام معمول کے مطابق نہ تھے بلکہ ان میں کھچاؤ پیدا ہو چکا تھا لہٰذا یہ امر دم گھٹنے کے اسباب میں سے ایک سبب تھا، لیکن دم گھٹنے کا صرف یہ واحد سبب نہ تھا، ٹھیک اسی لحظہ زنجیر کی ایک کڑی ضرور گم تھی، یہی وہ کڑی ہے جس نے اچانک خاتمہ کر دیا جس سے ہر شخص حیرت میں پڑ گیا، یہ خاتمہ ایک واضح سبب کا نتیجہ تھا اور وہ سبب سرکہ تھا ۔

ایک تندرست آدمی کی صورت میں سرکہ کا ہوا کی نالیوں میں گھس جانا سخت قسم کے تشنج سے دم گھٹنے والی حالت پیدا کر سکتا ہے اور اگر جسم تھکا ماندہ بھی ہو اور تمام وہ اعضا جو براہ راست یا بالواسطہ سانس لینے سے متعلق ہیں اس وقت کھچاؤ کی حالت میں ہوں تو پھر سخت ترین تشنج پیدا ہوگا، مزید برآں اس جگہ ہم ایسے آدمی سے دو چار ہیں جو دم گھٹنے کے عمل کی وجہ سے پہلے ہی سے موت کے دروازہ پر ہے جو بظاہر اس کی نہ ٹلنے والی تقدیر کی صورت میں نظر آ رہی ہے ۔

کیا صلیب پر کسی شخص کو سرکہ کی طلب ہوتی ہے جبکہ مسیح نے کہا میں پیاسا ہوں یقیناً سرکہ کی طلب نہیں ہوتی، وہ یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ اسے سرکہ ملا ہوا پانی دیا جائیگا جو کہ رومن سپاہی اپنے ملبنے لُوح کے زمانہ میں پیا کرتے تھے، اس پانی میں وہ سرکہ ملاتے تھے، صلیب پر کسی آدمی کو خالص سرکہ دیدینا واضح طور پر ایک ظلم تھا جو ہر صلیب دینے والے انچارج کے مددگار ڈھاتے تھے، ہم جانتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں موت کی سزا کے وقت رحم جیسی چیز نہیں پائی جاتی تھی۔

سائنس دانوں کی تحقیقات میں یہ بنیادی غلطی رہی ہے کہ وہ (یسوع مسیح کو اس موقعہ پر) سرکہ دیا جانے کو ایک بے ضرر عمل کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں گویا کہ یہ سرکہ نہ تھا۔ یہ سرکہ ملا ہوا پانی تھا یا پھر یہ اس عمل کو ایک مہربانی قرار دیتے رہے ہیں، مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یسوع مسیح ایک مجرم (سمجھا جاتا) تھا اور اس کا سانس بند ہو جانے پر لوگوں کو جو شبہات پیدا ہوئے اور جو تردد پیدا ہوا (یعنی موت کے متعلق) وہ اس طبعی کیفیت کا ایک ردِ عمل تھا جو ایسے حالات میں وقوع میں آسکتا تھا۔

یہ ایک پراسرار امر ہے کہ یہ واقعات ایک لمبے عرصہ تک سائنس دانوں سے کیوں اوجھل رہے۔ یہ امر نہایت وضاحت سے معنی خیز ہے کہ تین انجیل نویس یسوع مسیح کو سرکہ دیا جانے کے فوراً بعد اس کے سانس کا رُک جانا بالاتفاق بیان کرتے ہیں اور ایک بیان میں بلند آواز سے چلانا بھی مذکور ہے جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آیا تھا اور دوسرے ایسے الفاظ بولنا لکھتے ہیں جن کا مفہوم یہ تھا کہ "تمام ہوا" طبی زبان میں دم دے دینا کے معنی ہوتے ہیں، سانس لینا ختم ہو جانا۔ ان تینوں انجیل نویسوں کی شہادت منطقی طور پر یہ مفہوم رکھتی ہے کہ سرکہ کے استعمال کے فوراً بعد سانس بند ہو گیا۔

جب یسوع نے پینے کے لیے کچھ مانگا تو وہ اس وقت پورے ہوش و ہواس میں تھا اور اسے ہرگز یہ احساس نہ تھا کہ اس کا آخری لمحہ آگیا ہے۔ آہستہ رفتار سے آنے والی موت کی کشمکش میں وہ پیاسا ہوا، لیکن حسب معمول یہ کشمکش ابھی ختم

نہ ہوئی تھی، کہ سرکہ دیدیا گیا جس نے فوراً ہوا کی نالی میں داخل ہوتے ہی (اور یہ داخل ہونا اس وجہ سے تیزی سے تھا کہ یسوع نے سپنج سے سرکہ چوسا) پھیپھڑوں میں ہوا کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع کر دیا اور فوراً ان حصوں کو ناکارہ کر دیا جو پہلے سے اینٹھن کی وجہ سے متاثر ہو چکے ہوئے تھے، یسوع ابھی یہ سمجھنے کے لیے کہ "تمام ہوا" کافی وقت رکھتا تھا اور اس آخری چلانے کے لیے بھی وقت رکھتا تھا، جس نے اس کے ایسا سمجھنے کو ظاہر کر دیا۔ یہ وہ چلانا تھا، جو ارد گرد کھڑے لوگوں نے سنا تھا، ابھی اس چلانے کو ممکن بنانے کے لیے یسوع کے پھیپھڑوں میں کافی ہوا موجود تھی۔

آدمی ایسی مایوسی کی حالت میں بھی چند اور لمحے (یعنی دس سے تیس[۲۰] تک گننے کے لمحات تک) بول سکتا ہے اور اسے باہر سے زائد ہوا لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یسوع مسیح کے دُکھ کا خاتمہ ہونے والا تھا اور وہ سب لوگ جو حاضر تھے وہ حیران ہو گئے کہ کتنی جلدی خاتمہ ہو گیا۔

طب کی سائنس کے نقطہ نگاہ سے صلیبی کارروائی کے اس آخری مرحلہ کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ دم گھٹنے کی صورتوں میں خواہ کسی سبب سے دم گھٹے دل کا عمل ضروری طور پر اسی وقت ختم نہیں ہو جاتا جبکہ سانس رُک جائے (یہ صرف وہ لمحہ ہوتا ہے جبکہ دم دے دیا جاتا ہے) یہ درست ہے کہ اس سے خون کو آکسیجن کا ملنا بند ہو جاتا ہے اور یہ بات دل کے لیے بھی اچھی نہیں، لیکن جیسا کہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ دل یہ قابلیت رکھتا ہے کہ وہ اپنی حرکت کے عمل کے زور کو کافی طور پر کم کر دے اور اسی قسم کے دم گھٹنے کی سخت صورتوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ دم بند ہو جانے کے بعد بھی دل کی حرکت اور عمل جاری رہا ہے۔ اس لیے روزانہ پیش آنے والی دم گھٹنے کی ایسی حالتوں میں دوبارہ زندگی پانے کے لیے جو کوشش کی جاتی ہے یہ بلا وجہ اور بے معنی نہیں بلکہ اس وقت تک یہ کوشش دوبارہ زندگی پانے میں کامیابی کی امید دلاتی ہے جب تک حرکت قلب جاری رہے۔

ایسی صورتوں میں (اس طبی اور سائنسی) تحقیقات کے نتیجہ کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب یسوع مسیحؑ نے دم دیدیا۔ یعنی جب اس کا سانس رک گیا تو وہ اس وقت مرے نہیں تھے، ان کی حرکت قلب مسلسل جاری تھی، اس کے بعد کوئی ایسا امر وقوع میں نہیں آیا جس نے ان کی حرکت قلب کو بند کردیا ہو۔ یہ بات یسوع مسیحؑ کے کفن کی چادر سے ثابت کی جاسکتی ہے۔ یہ کفن اس حقیقت کا مصدّق ہے کہ مسیح کا دل اس وقت متحرک تھا، جب انہیں صلیب سے اتارا گیا۔ قانونی مفہوم میں سزائے موت نے تکمیل نہیں پائی تھی، موت کی سزا دینے کے معنی یہ تھے کہ جسم موت تک لٹکائے رکھا جائے لیکن یسوع مسیحؑ کے معاملہ میں یہ امر وقوع میں نہیں آیا۔

یونانی زبان کی اناجیل کے نسخوں میں سانس بند ہونے کے واقعہ کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ ملتے ہیں۔

۱۔ APEHKENTO PNEUMA (اپی ہیکن ٹو نیوما) اس کے معنی ہیں اس نے دم دے دیا۔

۲۔ EXEPNEUMEN (ایکسپ نیومن) اس نے آخری سانس لیا۔

۳۔ PAREDOKEN TO PNEUMA (پیرے ریڈوکن ٹو نیوما) اس نے دم چھوڑ دیا۔

لہٰذا نیوما کا ذکر ان تینوں ترجموں میں موجود ہے، اس کے معنی، سانس، ہوا، سپرٹ اور ہولی گاسٹ ہیں، یہ تراجم بھی ثابت کرتے ہیں کہ بائیبل میں کسی جگہ بھی ایسے الفاظ استعمال نہیں ہوئے، جو مکمل فنا ہو جانے کو ظاہر کرتے ہوں، یونانی اور لاطینی زبانیں فنا پانے کے معنی دینے کے لیے اور الفاظ رکھتی ہیں۔

کنگ جیمس کے نسخہ میں متعلقہ آیات یوں درج شدہ ہیں۔

۱۔ متی (۲۷ : ۵۰) یسوع جب پھر بلند آواز سے چلایا تو اس نے دم دیدیا۔

۲۔ مرقس (۱۵ : ۳۷) یسوع بلند آواز سے چلایا اور اس نے دم دیدیا۔

۳۔ لوقا (۲۳ : ۴۶) اس نے کہا اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں دیتا ہوں اور یہ کہتے ہوئے اس نے دم دیدیا۔

۴۔ یوحنا (۱۹ : ۳۰) ----- اور اس نے اپنا سر جھکایا اور دم دیدیا۔

برطانیہ میں بائیبل کا ایک ایسا ایڈیشن شائع ہوا جو ہر دلعزیز تھا، اس کا عنوان ہے۔ نیو انگلش بائیبل۔ اس ایڈیشن میں یہ تینوں اناجیل کی عبارتیں نیچے دیئے گئے الفاظ میں شائع ہوئی ہیں۔

۱۔ متی (۲۷ : ۵۰) تب یسوع بلند آواز سے چلایا اور مر گیا۔

۲۔ مرقس (۱۵ : ۳۷) تب یسوع اونچی آواز سے چلایا اور مر گیا۔

۳۔ لوقا (۲۳ : ۴۶) اور کہا اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں دیتا ہوں اور ان الفاظ کے ساتھ وہ مر گیا۔

۴۔ یوحنا (۱۹ : ۳۰) اس نے اپنا سر جھکایا اور اس نے اپنی روح دیدی یا اپنی جان کا آخری سانس لیا۔

ان آخری حوالوں سے ظاہر ہے کہ ترجمہ کے یہ نسخے واضح طور پر پرانے الفاظ سے ہٹے ہوتے ہیں۔ صرف یوحنا کی انجیل کے ترجمہ میں اصلی متن ترجمہ کے مطابق ہے اور یہاں بھی اسکے اثر کو اس فٹ نوٹ سے کہ

(اس نے اپنی جان کا آخری سانس لیا) سے اس کے اثر کو کم کر دیا گیا ہے اور مرقس اور لوقا میں دم دیدینے (سانس رک جانے) کے الفاظ کو "مر گیا" لفظ سے لکھ کر جسمانی فنا پانے کے معنوں میں بدل دیا گیا ہے اور متی میں اصلی متن کو اور ایک طرح سے قطع و برید کر دیا گیا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ تراجم کو خدا کے الفاظ قرار دینے میں ہم حق بجانب نہیں اور اس جگہ جو معنی کئے گئے ہیں، وہ اصلی اناجیل کے متن سے مطابقت نہیں رکھتے، سو یہ امر نہایت اہمیت رکھتا ہے کہ لوگوں کو بائیبل کے الفاظ کی بالکل واضح مراد کا علم حاصل ہو۔

اس لیے دم دیدیا کے الفاظ کے کچھ بھی معنے ہوں، یہاں کوئی ایسی وجہ موجود نہیں جو ہمیں اس امر کو ماننے کے لیے مجبور کرے، کہ ان الفاظ سے مراد دل کی موت یا دل کا ڈوبنا ہو۔

پوپ جان XXIII (بست وسوم) کا اپاسلک لیٹر (رسولی خط) جو تمام بشپوں کی طرف تھا ۲۰ر جولائی ۱۹۶۰ء کے اسروٹیور رومانو (OBSERVATORE ROMANO) میں شائع ہوا۔

اس کے مطابق بنی نوع انسان کو اپنی نجات کے لیے یسوع کی موت کی ضرورت نہ تھی۔ اس یادگاری خط میں یسوع مسیح کے صرف خون کو اہمیت دی گئی ہے۔ یہ پوری وضاحت سے بتاتا ہے کہ بنی نوع انسان کی مکمل نجات نے یسوع مسیح کے خون کے ذریعہ تکمیل پائی ہے اس صورت میں موت کا وقوع اس کی کوئی ضروری جزو نہیں، بلکہ اگر موت ضروری ہوتی تو پھر یسوع مسیح کے خون کو کوئی اہمیت نہ رہتی۔

اپنے ایسٹر کے پیغام میں ۱۹۶۱ء میں پوپ جان XXIII (بست وسوم) نے ایک دفعہ پھر اس امر پر زور دیا کہ مکمل نجات یسوع مسیح کے خون کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اس نے کہا یسوع مسیح نے تمام گلہ کو جسے اس روحانی گلہ بان نے نجات دی ہے اپنے خون کے ذریعہ دی ہے۔

پوپ کی یہ بات یروشلم کے رسولوں کی جماعت کے بنیادی پیغام کے مطابق ہے فلسطین کی پرانی مسیحی جماعت میں کسی وقت بھی موت کے ذریعہ نجات پانے کے عقیدہ نے جڑ نہیں پکڑی، بلکہ اس کے برعکس پرانی مسیحی جماعت اور پولوس میں جو متصلہ ممالک میں تعلیم دیتا تھا سخت تلخ مذہبی جھگڑے پیدا ہوتے، موجودہ زمانہ کی تحقیقات نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ بہت سی طنز آمیز گالیاں اور لعنتیں جو پولوس نے اپنے خط میں لکھی ہیں، ان کا نشانہ فلسطینی جماعت اور مسیح کے دوسرے شاگردوں کے تبلیغین ہی تھے لہٰذا جو لوگ پولوس پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ان کی بنیاد محض ریت پر قائم ہے۔

پروفیسر ہبرٹ کا آخری اعلامیہ یہ ہے کہ سائنس کی تحقیقات اور اس کے نتائج جو گذشتہ سالوں کے چند دہاکوں میں ظاہر ہوتے ہیں، اور اسی طرح یسوع کے کفن کا صریح اور ناقابل تردید اظہار یہ ثابت کرتا ہے کہ ان تمام لوگوں نے جنھوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ بیان کیا ہے کہ مسیح صلیب پر مر گئے تھے انہوں

نے جھوٹ بولا ہے اور جھوٹ لکھا ہے اور حقیقی صداقت سے بالکل جہالت اور ناواقفی میں لکھا ہے۔ وہ لوگ جو اس کے بعد اب اپنی تقریر و تحریر میں یہ بیان کریں کہ یسوع مسیح صلیب پر مر گئے تھے۔ وہ بھی جھوٹ کہیں گے اور جھوٹ لکھیں گے، یہ لوگ دانستہ جھوٹ کی اشاعت کرنے والے ہوں گے، کیونکہ وہ اب اصل حقیقت سے ضرور واقف ہو چکے ہیں۔

باب پنجم

حیاتِ ثانی

وہ نتائج جو کفن کی چادر کے بڑے بڑے فوٹو لینے اور ان پر تحقیقات کرنے سے برآمد ہوئے ہیں، اس شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے کہ جب حضرت یسوع مسیحؑ کو صلیب سے اُتارا گیا تو اس وقت ان کے دل کا عمل جاری تھا، یعنی حرکتِ قلب موجود تھی، معطل نہیں ہوئی تھی اور یہ حرکتِ قلب اس وقت بھی موجود تھی، جب آپ کے جسم کو کفن کی چادر پر رکھا گیا، اگر حضرت مسیحؑ کو اس حالت میں رہنے دیا جاتا اور کوئی مزید علاج نہ کیا جاتا تو اس امر کا امکان تھا کہ سانس بند رہنے کی وجہ سے لمبا عرصہ آکسیجن نہ ملنے پر دل بالآخر بالکل ساکن ہو جاتا اور آپ کی موت واقع ہو جاتی، بدقسمتی سے اس موقعہ پر بائبل کے بیانات میں یوسف آرمیتیا اور حکیم نکدیمس کی کوششوں کے بارہ میں جبکہ مسیحؑ کے جسم کو چادر میں لپیٹ کر قبر میں رکھا گیا ایک خلا موجود ہے تاہم اس جگہ ایک ایسی اطلاع موجود ہے جو اس بات کی وضاحت مہیا کرتی ہے کہ بعد ازاں کیا کچھ وقوع میں آیا اور وہ اطلاع یہ ہے کہ حکیم نکدیمس قریباً ایک سو پاؤنڈ وزن عود اور مر ملا جلا لایا اور انہوں نے لاش لے کر اسے سوتی کپڑے میں خوشبو دار چیزوں کے ساتھ کفنایا۔ (یوحنا ۱۹: ۳۹-۴۰)

ان خوشبو دار مسالوں کے ساتھ یہ عود کا اثر ہے جس نے یسوع مسیحؑ کا سانس جاری کرنے کا عمل کیا جو رک چکا ہوا تھا اور اسی سلسلہ میں یسوع مسیحؑ کے دل کی حرکت کو قائم رکھنے اور مضبوط کرنے میں مدد دی اگرچہ یسوع مسیحؑ کے مکمل طور پر ہوش میں آنے میں کچھ اور وقت لگا۔

یہ سب کچھ جمعہ کی رات کو وقوع میں آیا، پھر ہمیں کچھ علم نہیں ملتا کہ یسوع مسیحؑ

نے سبت (ہفتہ) کا دن اور سبت کی رات کیسے گذاری۔

چار انجیل نویسوں میں سے صرف متی اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ مسیح کے جسم کو قبر میں رکھا جانے کے بعد یوسف ایک بڑا پتھر قبر کے منہ پر لڑھکا کر چلا گیا اور اس وقت مریم مگدلینی اور دوسری مریم وہاں قبر کے سامنے بیٹھی تھیں۔ (متی ۲۷-۴۰)

اس امر کا ذکر نہیں کیا گیا کہ یہ لوگ قبر کے اندر بیٹھے تھے یا قبر کے باہر اور یہ کہ وہ کس وقت چلے گئے۔

اس سے آگے یہ بیان ملتا ہے کہ:

"دوسرے دن جو تیاری کے بعد کا دن تھا، سردار کاہنوں اور فریسیوں نے پیلاطس کے پاس جمع ہو کر کہا، اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ اس دغا باز نے اپنے جیتے جی کہا تھا کہ میں تین دن کے بعد جی اٹھوں گا۔ پس حکم دے کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد اسے چرا کر لے جائیں اور لوگوں سے کہیں کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے تو یہ پچھلا فریب پہلے سے بھی بدتر ہو گا۔ پیلاطس نے ان سے کہا تمہارے پاس پہرے والے ہیں جاؤ جس طرح مناسب سمجھو اس کی نگہبانی کرو۔ انہوں نے جا کر اس پتھر پر مہر کر دی اور پہرہ بٹھا کر قبر کی نگہبانی کی۔"

(متی ۲۷: ۶۲-۶۶)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ پیلاطس کو یسوع مسیحؑ کی قبر پر پہرہ دیا جانے سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس نے کاہنوں اور فریسیوں کو خود ایسی احتیاط کرنے دی جو وہ مناسب سمجھیں، لیکن جو احتیاط انہوں نے کی وہ برباد ہو گئی کیونکہ اس موقعہ پر دیکھو ایک بڑا زلزلہ آیا کیونکہ خدا کا فرشتہ آسمان سے اُترا اور پاس آکر پتھر لڑھکا دیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ (متی ۲۸: ۲) اس کے ڈر سے نگہبان کانپ اُٹھے اور مردہ سے ہو گئے۔ (۲۸: ۴)

ہم جانتے ہیں یہ قبر یوسف آرمیتیا نے اپنے لیے اور اپنے کنبے کے لیے تیار کرائی ہوئی تھی اور یہ اسی کی ملکیت تھی، اس لیے اس میں اسے آنے جانے کا پورا حق حاصل تھا۔ مزید براں یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ پیلاطس کی طرف سے یہ اجازت مل جانے کے بعد کہ یسوع کی لاش یوسف کے حوالے کر دی جائے۔ یوسف نے یسوع مسیح کی لاش قبر میں رکھ دینے کے بعد مزید کوئی احتیاط نہ کی ہو۔ یہی بات نکدیمس کے متعلق کہی جا سکتی ہے جو اپنے ساتھ بڑی مقدار میں عود اور خوشبو دار مسالے لایا تھا جو یسوع مسیح کے جسم پر استعمال کیے جانے کے لیے تھے۔

لہٰذا اس جگہ غور و فکر کے لیے بہت بڑی گنجائش ہے، کتاب انقیوسٹ اون جیزز کرائسٹ (INQUEST ON JESUS CHRIST) میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ واقعات کا ڈھانچہ دوبارہ تیار کیا جائے، ہم اس جگہ اسکا نتیجہ پیش کر دیتے ہیں، خواہ وہ کوئی بھی حیثیت یا قیمت رکھتا ہو۔

جب یسوع مسیح کا جسم قبر میں تھا جو جسم اور گوشت کی صورت رکھتا تھا یا جیسا کہ دوسرے لفظوں میں کہ یسوع مسیح نے خود اسے بعد میں گوشت اور ہڈیاں قرار دیا تھا، ایسی حالت کی طرف لوٹ آیا تھا۔ جس نے دوسری طبعی زندگی (RESURRECTION) کو ممکن بنا دیا تھا جسے ہم مزید وضاحت کرتے ہوئے اسی جسم کی دوسری زندگی کہہ سکتے ہیں جو سانس لیا کرتا تھا اور حرکت کرنے والا دل رکھتا تھا۔

مریم مگدلینی نے قبر کو خالی پایا۔ وہ جلدی سے واپس مڑی کہ پطرس اور یوحنا کو بتائے جو یہ سنکر قبر کی طرف ایسی رفتار سے گئے جو ان کے لیے ممکن تھی، انہوں نے دیکھا سوتی کپڑے پڑے ہوئے ہیں اور وہ رومال بھی جو اس کے سر پر لپٹا ہوا تھا (یوحنا ۲۰ : ۶-۷)

یہ واضح ہے کہ وہاں (قبر میں) کچھ کپڑے موجود تھے، لیکن یسوع مسیح قبر سے جا چکے تھے۔ ان شاگردوں نے اس بارہ میں بحث کی پھر وہ شاگرد اپنے گھروں کو

واپس لوٹ گئے۔ (یوحنا ۲۰ : ۱۰)

یسوع مسیح عملاً ننگے بدن تھا اس کے اصل کپڑے اس سے لے لیے گئے تھے اور اس کے پاس صرف سوتی کپڑے تھے جو قبر میں اس پر لپیٹے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے ایک کپڑے کو اپنے جسم پر لپیٹنے کا بندوبست کر لیا تا اپنے ننگ کو چھپا سکے، مگر وہ اس ہیئت میں نہ اماؤس گاؤں کی طرف جا سکتا تھا اور نہ وہ اس ناکافی لباس کے ساتھ شہر (یورشلم) میں جا سکتا تھا کہ وہاں سے مناسب لباس حاصل کرے۔

اس نے مشکل کو نہایت سادہ طریق سے حل کر لیا۔ اس نے اپنے قریب ہی باغبان کا لباس (غالباً باغ کے چپر کھٹ میں) پڑا ہوا پایا اسے (باغبان سے) قرض لے لیا اور شہر میں جا کر زیادہ مناسب لباس حاصل کر لیا اور بعد میں باغبان کا لباس اسے واپس کر دیا۔

ابھی جب کہ وہ باغبان کا لباس پہنے ہوئے تھا یہ ظاہر ہے کہ وہ قریب سے ہی دیکھ رہا تھا کہ خالی قبر کا کیا بنتا ہے۔ جب اس نے دیکھا دو حواری پطرس اور یوحنا اس قبر کو ملاحظہ کر رہے ہیں تو اس نے انہیں اپنے گھر چلے جانے دیا، صرف مریم مگدلینی پیچھے رہ گئی وہ مایوس تھی اور چلا رہی تھی۔ وہ اس لیے چلا رہی تھی کہ اس کے آقا یسوع کو اٹھا لے گئے ہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کہاں رکھا ہے (یوحنا ۲۰ : ۱۳) یہ کہکر وہ پیچھے پھری اور یسوع کو کھڑے دیکھا اور نہ پہچانا یسوع نے اس سے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے؟ کس کو ڈھونڈتی ہے؟ اس نے باغبان سمجھکر اسے کہا میاں اگر تو نے اسے یہاں سے اٹھایا ہے تو مجھے بتا دے کہ اسے کہاں رکھا ہے تاکہ میں اسے لے جاؤں یسوع نے اس سے کہا "مریم" اس نے مڑ کر اس سے عبرانی زبان میں کہا ربّونی (یعنی اے استاد) اس نے اب یسوع کو پہچان لیا کیونکہ اس نے جانا کہ صرف وہی اس کو "مریم" اس طریق سے کہہ سکتا تھا، یسوع نے اسے کہا مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا، لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خداوند اور تمہارے خداوند کے پاس

اوپر جاتا ہوں۔ (یوحنا ۲۰: ۴ تا ۱۷)

مریم چلی گئی اور اس نے شاگردوں کو بتایا کہ اس نے اپنے آقا کو دیکھا ہے اور اُس نے یہ باتیں اُس سے کہی ہیں۔

اسی دن کی شام کو یسوع مسیح باغبان کا لباس اتار کر اماؤس کی راہ پر روانہ ہوگیا جو یروشلم کے قریب ہی ایک گاؤں ہے اور اس نے شاگردوں کو اسی طرف جاتے دیکھا۔ یسوع یقیناً اجنبی نظر آ رہا تھا، اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ یہ شاگرد نہ پہچان سکے جیسا کہ لکھا ہے:-

"لیکن ان کی آنکھیں بند کی گئی تھیں کہ اس کو نہ پہچانیں"

(لوقا ۲۴: ۱۶)

وہ حیرانی میں پڑ گئے تھے جس طریق پر وہ باتیں کر رہے تھے اس سے ظاہر تھا کہ انہیں یہ علم نہ تھا کہ کیا وقوع میں آ رہا تھا، اس لیے ان کے بیانات ایک دوسرے سے متضاد تھے یسوع نے بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سنیں اور آخر کار کہا:-

"اے نادانو اور سست اعتقادو! کیا مسیح کو (سب پہلی پیشگوئیوں کے مطابق) یہ دکھ اُٹھا کر اپنے جلال میں داخل ہونا ضرور نہ تھا"

(لوقا ۲۴: ۲۵، ۲۶)

پھر اس نے بائیبل کی وہ سب پیشگوئیاں جو بائیبل میں لکھی تھیں جو موسیٰ سے شروع ہو کر سب نبیوں کے نوشتوں میں تھیں، سمجھائیں۔

اس جگہ ہمیں دوسری زندگی کے بعد یسوع کا ایک واضح بیان ملتا ہے جس میں متعلقہ پیشگوئیوں اور ان کے کامل طور پر پورے ہونے کا ذکر اس کے اپنے تجربہ کے رو سے مذکور ہے وہ اپنے آپ مسیح قرار دیتا ہے اور تکلیفات اٹھانے کا بھی ذکر کرتا ہے، لیکن اس کے اس بیان میں مرنے کے متعلق ایک لفظ تک موجود نہیں۔

پیشگوئیوں میں انبیاء نے کیا کہا تھا

بحیرہ مردار کے پاس سے برآمد شدہ طومار اور دوسری نئی دریافتوں نے

تازہ حقائق کو واضح کر دیا ہے۔ تمام انبیاء کی پیشگوئیاں اس مضمون کی تھیں، خدا یسوع مسیح کو بچا لیگا، وہ صرف دُکھ اُٹھائے گا، لیکن پرانے عہد نامہ کی ان پیشگوئیوں میں موت کا کوئی ذکر موجود نہیں اور جہاں اس جگہ بظاہر کوئی ذکر دکھائی دیتا ہے وہ غلط ترجمہ کیا جانے کی وجہ سے دکھائی دیتا ہے۔

غرض اس طرح یہ لوگ اماؤس نامی گاؤں میں پہنچے جہاں کہ ان شاگردوں کو جانا تھا، یسوع مسیح آگے چلا جانا چاہتا تھا، لیکن انہوں نے اصرار سے روکا کہ ہمارے ساتھ رہو، شام ہونے لگی ہے اور دن بہت ڈھل گیا ہے، پس وہ اندر گیا تاکہ ان کے ساتھ رہے اور ایسا ہوا کہ جب وہ ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تو اس نے روٹی توڑ کر برکت چاہی اور توڑ کر انہیں دینے لگا۔ (لوقا ۲۴: ۲۹، ۳۰) اس پر انکی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے اسے پہچان لیا۔ اور وہ ان کی نظر سے غائب ہوگیا (لوقا ۲۴: ۲۱)

اور اسی گھڑی اُٹھ کر وہ یروشلم کو واپس گئے اور ان گیارہ اور ان کے ساتھیوں کو اکٹھا پایا۔ (لوقا ۲۴: ۳۱، ۳۲)

تب انہوں نے سب کچھ بیان کیا کہ (اماؤس) کی راہ میں کیا کیا ہوا اور انہوں نے اسے روٹی توڑنے کے وقت پہچانا اور وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ میں آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہیں سلام۔ (لوقا ۲۴: ۳۵، ۳۶)

مگر وہ گھبرا گئے اور خوف کھا کر سمجھے کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں (لوقا ۲۴: ۳۷)

چونکہ وہ سخت گھبراتے ہوتے اور ڈرے ہوئے دکھائی دے رہے تھے اس لیے یسوع نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو اور تمہارے دل میں کیوں شک پیدا ہوتا ہے میرے ہاتھ اور پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں، مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جو مجھ میں دیکھتے ہو (لوقا ۲۴: ۳۸، ۳۹)

اور جب خوشی کے مارے انہیں تب بھی یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے انہیں کہا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے تب اُنہوں نے بھنی ہوئی مچھلی کا ایک قتلہ اسکو دیا اور اس نے اسے لیکر ان کے سامنے کھایا۔ (لوقا ۲۴: ۴۱، ۴۲)

جس شام کو یسوع نے اپنے آپ کو شاگردوں کو دکھایا ان میں سے ایک جس کا نام تھوما تھا موجود نہیں تھا، جب دوسروں نے اسے بتایا کہ انہوں نے کیا دکھیا اور سنا ہے تو وہ (تھوما) ان سے کہنے لگا۔

"جب تک میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے چھید نہ دیکھ لوں اور میخوں کی جگہ اپنی انگلی نہ ڈال لوں اور اپنے ہاتھ کو اس کی پسلی میں نہ ڈال لوں ہرگز یقین نہیں کروں گا" (یوحنا ۲۰ : ۲۵)

اس کے بعد ایک اور موقعہ پر جب یسوع انہیں پھر ملا اور تھوما ان کے ساتھ موجود تھا اس نے تھوما سے کہا:۔

"اپنی انگلی پاس لاکر یہاں داخل کر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لاکر اسے میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ بن بلکہ اعتقاد رکھ" (یوحنا ۲۰ : ۲۷، ۲۸)

آپ تھوما کے متعلق جو چاہیں خیال کریں وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے گواہ بن چکا ہے کہ یسوع مسیح اپنے اسی طبعی جسم میں زندہ تھے جو جسم کہ وہ صلیب پر لٹکایا جانے سے پہلے رکھتے تھے، وہی زخم جنہیں تھوما چھونا چاہتا تھا ظاہر کرتے ہیں کہ یہ وہی طبعی جسم تھا۔

ایک دوسرے موقعہ پر یسوع پھر شاگردوں کے ساتھ روٹی اور مچھلی کھانے میں شریک ہوا۔ (یوحنا ۲۱ : ۱۲، ۱۳)

اب خواہ کوئی شخص مسیح کی دوسری زندگی کی اوپر دی گئی تفصیل کو اسکی مذکورہ صورت میں قبول کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ یہ امر ناقابل انکار ہے کہ وہ صلیب سے اتارا جانے کے بعد اپنے پہلے طبعی جسم میں بچا لیا گیا تھا۔

وہ اِدھر اُدھر پھرتا رہا تھا اور شاگردوں سے کئی مواقع پر اپنے اسی طبعی جسم میں ہی ملتا رہا تھا، جس پر ان زخموں کے نشانات موجود تھے، جن سے اس نے دکھ اٹھایا تھا اور اسی جسم کے ساتھ کھانا کھاتا رہا تھا۔ یہ امر اس بات کو بالکل واضح کر رہا ہے

کہ وہ پورے طور پر ایک انسان ہی تھا اور تمام انسانی حاجات کی ضرورت محسوس کرتا تھا جن میں صحت قائم رکھنے کے لیے خوراک کی ضرورت بھی شامل ہے۔

برنرڈ ایلین (BERNARD ELLEN) یہ قرار دیتا ہے کہ قیامت (RESURRECTION) کے عام تصور کے ساتھ مسیح کا آسمانوں پر مادی جسم کے ساتھ صعود متحقق نہیں ہو سکتا[1]

انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں اس منظر کی یوں تشریح کی گئی ہے کہ یقین کے ساتھ اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا کہ خود یسوع کا ہی شاگردوں کے سامنے ظاہر ہونا اس میں بیان کیا گیا ہے[2]

کرسوپ لیک (KIRSOPP LAKE) کے بیان کے مطابق قدیم ترین روائت میں حقیقی دوسری زندگی (ACTUAL RESURRECTION) کا کوئی ذکر نہیں ملتا بلکہ صرف قبر اور زندہ شدہ آقا کے ظہور کا ذکر ہی ملتا ہے۔[3]

مسیحی تحریک کے شروع ہونے کے زمانہ کا قدیم ترین ریکارڈ جو ہمیں ملتا ہے مرقس کو چھوڑ کر متی اور لوقا کے مطابق بظاہر مادی جسم کو پیش کرتا ہے یہ ایک حیران کن حقیقت ہے، اس تمام مواد میں یسوع مسیح کی طرف ایک بھی حوالہ اس کے خلاف منسوب نہیں۔[4]

اب کفن کی گواہی پُرزور طریق سے اس نتیجہ کی توثیق کرتی ہے جو اناجیل میں اس موضوع کے متعلق موجود مواد سے نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت یسوع مسیح نے صلیب پر وفات نہیں پائی۔ پس مر کر جی اُٹھنے کے سوال کی اہمیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور

1. Ellen, Bernard M., *Story behind the Gospels*, pp. 107-8.
2. *Encyclopaedia Biblia*, Vol. II, p. 1881.
3. Kirsopp Lake, *The Historical Evidence for the Resurrection of Jesus Christ* 1907, p. 231.
4. S V. McCasland, *The Resurrection of Jesus*, 1932, p. 131.

ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت یسوع مسیح نے اس وقت وفات نہیں پائی تھی۔ جب انہیں صلیب سے اتارا گیا اور کتانی چادر میں لپیٹ کر مقبرہ کے کمرے میں رکھا گیا، چنانچہ عود اور دوسرے مسالوں کے اثر سے جن میں کتانی چادر بھگوئی گئی تھی اور جو غالباً مسیح کے جسم پر بھی ملے گئے ہوں گے، مسیح کا سانس جاری ہوگیا اور وہ بتدریج ہوش میں آگئے۔

پس یہ صورت حال قیامت کے دن کی طرح دوبارہ زندگی پانے کی نہ تھی۔ بلکہ اسی دنیا میں ایک قریب المرگ شخص کے نئی طرز زندگی پانے کی صورت تھی۔

باب ششم

صعودِ مسیحؑ

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چڑھ جانے کے سوال پر اس مرکزی اور نتیجہ خیز امر کو دل میں جگہ دے رکھنی چاہیئے کہ جب یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا تو آپ کے طبعی جسم کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا اور جب آپ کو صلیب سے نیچے اتارا گیا تھا تو آپ کے اسی مادی جسم کو نیچے اتارا گیا تھا اور پھر اسی مادی اور طبعی جسم کو مقبرہ میں رکھا گیا تھا اور یہ وہی جسم تھا جس میں حضرت یسوع مسیح کو دوسری زندگی حاصل ہوئی تھی اور اس کے بعد وہ اسی مادی اور طبعی جسم کے ساتھ اپنے شاگردوں کو ملتے رہے تھے یہ جسم نہ روحانی تھا نہ تبدیل شدہ تھا اور نہ ہی محض روح تھا۔

اس مرکزی صداقت کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے مسیحیوں کے دلوں میں ایک بہت بڑی الجھن پیدا ہوئی ہے جو یقیناً پولوس سے شروع ہوئی، مسلمانوں کا ایک گروہ بھی اسی الجھن کا شکار رہا ہے، جب ایک بڑی تعداد مسیحیوں کی اسلام میں داخل ہوئی تو وہ اپنی افسانوی روایات (یسوع مسیح کے آسمان پر چڑھ جانے کے متعلق) اپنے ساتھ لائی تھی اور مسلمانوں کا ایک روز افزوں حصہ ان مسیحی روایتوں اور بعض اور غلط خیالات سے متاثر ہوگیا اور انہوں نے بھی یہ خیال قبول کر لیا کہ یسوع مسیح اپنے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے۔

یہ درست ہے کہ قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے یقین دلا دیا تھا یا عیسی انی متوفیك ورافعك الی (۳: ۵۶)
کہ اے عیسیٰ میں خود تجھے طبعی وفات دوں گا اور خود تجھے اپنے حضور سرفرازی عطا کروں گا۔

لیکن وہ مسلمان جو غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت مسیح اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے گئے وہ آیت ہذا کی غلط تفسیر کرتے ہوئے اسی قرآنی آیت کی نص کی بنا پر خدائی وعدہ کے متعلق یہ غلط عقیدہ رکھتے ہیں یہ وعدہ رافعك الیّ کے الفاظ میں تھا حالانکہ اس کے معنی یہ ہیں، میں تجھے اپنے حضور سرفراز کرونگا۔

یہاں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں کہ رفع الی اللہ (اپنی طرف اٹھا لینے) سے مراد روحانی رفعت اور سرفرازی ہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی طبعی وفات کے بعد خدا کے حضور ملنے والی تھی، اس آیت کا سیاق یوں ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں نے تدبیر کی کہ اسے صلیب مار دیں (کہ اس طرح سے وہ موسیٰ کے اعلامیہ کے مطابق جو استثنا ۲۱ : ۲۳ میں بیان ہوا ہے لعنتی قرار دیا جاتے گا) اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کے مقابل یہ تدبیر کی کہ وہ اسے ایسی موت سے بچا لیگا اور پھر وہ اس کے وعدہ متوفیك و رافعك الی کے مطابق طبعی وفات پانے کے بعد جو اس لعنتی موت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی ہوگی جس سے اس کا خدا سے تعلق کٹ جاتا وہ تمام دوسرے مقدسوں کی طرح خدا کے حضور سرفراز ہوگا۔

اس آیت میں کوئی ایسا اشارہ موجود نہیں کہ وہ اپنے مادی جسم سمیت آسمان کی طرف اُٹھایا جائیگا، آیت کی اس قسم کی تشریح سیاق آیت اور رفع الی اللہ کے محاورہ زبان عربی سے انحراف کے مترادف ہوگی اور قرآن مجید کے ایسے بیانات کے منافی اور متناقض ہوگی، جن میں یہ بتایا گیا ہے زمین ہی انسان کے رہنے کے لیے طبعی اور مقررہ رہائش گاہ ہے اور انسان اپنے مادی جسم کے ساتھ ایسی جگہ نہیں رہ سکتا جو جگہ زمین کی شرائط اور حالات سے کوئی مناسبت نہ رکھتی ہو، اسی طرح اور بھی بہت سی آیات قرآنی مجید میں موجود ہیں جو اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا زیر بحث آیت میں بیان شدہ رفع الی اللہ خدا تعالیٰ کے حضور روحانی سرفرازی اور رفعت پانے کو ظاہر کر رہا ہے نہ کہ آسمان کی طرف مادی جسم کے اٹھایا جانے

کو۔ ماسوا اس جگہ رافعك الیّ میں مذکور رفع کے خدا کی طرف دیا جانے کا ذکر ہے نہ کہ آسمان کی طرف جو اس بات پر واضح طور پر منتج ہے کہ رفع الی اللہ سے اس جگہ رفع روحانی ہی مراد ہے۔

مثلاً قرآن مجید میں آیا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

(سورۂ اعراف ۱۷۶-۱۷۷)

ان پر اس شخص کا حال پڑھ جسے ہم نے اپنے نشانات دیئے تھے لیکن وہ ان سے پھسل کر الگ ہوگیا تب شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور وہ گمراہوں میں سے ہوگیا تھا اور اگر ہم چاہتے (لَرَفَعْنٰهُ بِهَا) تو ان نشانات کے ذریعہ اس کو بلند مرتبہ عطا کرتے۔ لیکن وہ زمین کی طرف جھکا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چل پڑا تھا۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ صاحب منصب شخص خدائی نشانات سے فائدہ اٹھاتا تو روحانی طور پر بلند کیا جاتا، لیکن اس نے ان نشانات سے تغافل اختیار کیا اور زمین کی طرف جھکا یعنی اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلا۔ نیکی روحانی رفع (سرفرازی) کا موجب ہوتی ہے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑنا انسان کو زمین کی طرف کھینچ لیتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر کہا گیا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

(مریم ۵۷:۵۸)

اور ادریس (حنوک نبی) کا حال کتاب کے مطابق پڑھ وہ یقیناً ایک صادق آدمی اور خدا کا نبی تھا اور ہم نے اسے بلند جگہ پر اٹھا لیا۔

حضرت یسوع مسیح کا رفع بھی اسی طرح کا تھا۔

زمین انسان کے لیے طبعی رہائش کی جگہ ہے جیسا کہ مثلاً قرآن مجید میں ہے

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ (الاعراف ۲۵-۲۶)

یعنی زمین ہی تمہارے رہنے کی جگہ اور ایک وقت تک کے لیے سامان ہے اسی زمین میں تم زندہ رہوگے اور اسی میں تم مروگے اور اسی سے تم دوبارہ نکالے جاؤ گے۔

اور ایک مقام پر یہ کہا گیا ہے۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۝ أَحْيَاءً وَّ أَمْوَاتًا (المرسلٰت ۲۶-۲۷)

کیا ہم نے زمین کو کافی وسیع نہیں بنایا کہ وہ اکٹھا کرے زندوں کو اور مردوں کو۔

ایک موقعہ پر آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں نے آپ کو یقین دلانا چاہا کہ اگر آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے کتاب لائیں جسے وہ پڑھیں تو وہ اس وقت آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

او ترقیٰ فی السماء و لن نؤمن لرقیّك حتّٰی تنزّل علینا کتابا نقرؤه

اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۹۴)

یعنی (اے نبی انہیں) کہہ دے میرا رب ہر عیب سے پاک ہے اور میں صرف انسان ہوں۔ جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ امر کہ ایک انسان اپنے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ جائے قانونِ الٰہی کے منافی ہے اور یہ کہ مقدس نبی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) انسان

ہوتے ہوئے گو وہ خدا کے رسول ہیں آسمان پر چڑھ نہیں سکتے۔

کافی حد تک الجھن آسمان (HEAVEN) کے دوہرے معنوں کی وجہ سے بھی پیدا ہوئی ہے اس کے معنی وہ آسمان (SKY) بھی ہیں جو ایک جغرافیائی وجود ہے اور اس سے وہ روحانی حالت بھی مراد ہوتی ہے جس سے نیک لوگ اس زندگی سے گزر جانے کے بعد لطف اُٹھاتے ہیں انسانی جسم ایسا بنایا گیا ہے اور اسے ایسے قویٰ دیئے گئے ہیں جو اسے ان سے صرف ان شرائط اور حالات کے مطابق ہی عمل کرنے کی توفیق دیتے ہیں جو حالات و شرائط کہ زمین پر چھائے ہوئے ہیں انسان اپنے مادی جسم کے ساتھ ان سے مختلف حالات میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

اگر کسی انسان کے آسمان پر اُٹھایا جانے سے یہ بتانا مقصود ہو کہ یہ آدمی مادی جسم کے ساتھ زمین سے جدا ہوا ہے اور زمین کے ماحول سے باہر وہ کسی جگہ اپنے مادی جسم کے ساتھ قیام پذیر ہوا ہے یا ابھی مادی جسم کے ساتھ وہ اس روحانی حالت میں داخل کر دیا گیا ہے جس کے نیک لوگوں کو مرنے کے بعد ملنے کا وعدہ دیا گیا ہے تو دونوں صورتیں بہرحال غلط قرار پاتی ہیں۔

یسوع مسیح ایک انسانی ہستی تھے وہ راستباز بھی تھے اور خدا کے نبی بھی۔ صلیب کے تجربہ اور قبر میں رکھا جانے کے تجربہ کے بعد بھی وہ ابھی ایک انسانی ہستی ہی تھے، اپنے اسی مادی جسم کے ساتھ۔ وہی حاجات رکھتے تھے جو جسم اور حاجات کہ صلیب پر لٹکایا جانے سے پہلے انہیں لاحق تھیں۔ وہ اسبات کے بڑے خواہش مند تھے کہ ان کے شاگرد انہیں پہچان لیں، تا وہ اسبات کے گواہ ہو سکیں کہ وہ صلیب پر مر کر لعنتی نہیں بنے۔ اسی لیے آپ نے ان کی توجہ اس طرف مبذول کی کہ وہ کوئی روح نہیں ہیں بلکہ وہ خود اپنے مادی جسم میں وہی یسوع ہیں جو پہلے تھا۔

چنانچہ آپ نے اپنے شاگردوں سے کہا:۔

"دیکھو میرے ہاتھ اور میرے پاؤں کہ میں ہی ہوں مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی۔ جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ

کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے، لیکن انہیں یقین
نہ آیا کیونکہ آگے لکھا ہے۔ (لوقا ۲۴ : ۳۹، ۴۰)

"جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا تعجب کرتے تھے تو اس
نے ان سے کہا آج یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے انہوں نے
اسے بھونی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے رُوبرو کھایا۔

(لوقا ۲۴ : ۴۱ - ۴۳)

اگر وہ اپنے شاگردوں کو اپنے مادی جسم میں اپنے انسان ہوتے کا یقین دلانے کے لیے تکلیف نہ اُٹھاتے تو وہ ان کو اس تاثر کے ماتحت چھوڑ جاتے کہ وہ صلیب پر وفات پا چکے ہیں اور اب وہ لوگ ان کی روح کو دیکھ رہے ہیں۔ ہر دفعہ اور جہاں کہیں بھی وہ ان شاگردوں کے پاس رہے انہوں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا تاکہ ان پر اپنے طبعی حاجات رکھنے کا پُرزور طریق سے اظہار کر سکیں۔

یسوع مسیح نے خود کسی جگہ بھی اس بات کی کوئی علامت نہیں دی کہ وہ مادی جسم کے ساتھ آسمان پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، جہاں تک اناجیل کا تعلق ہے وہ آج بھی حضرت مسیح کے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر جانے کے مثبت مضمون پر مشتمل نہیں، متی اور یوحنا میں تو آسمان پر جانے کا واقعہ ہی مذکور نہیں۔ مرقس اور لوقا جو کچھ اس سیاق میں کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ :-

"غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور
خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا۔" (مرقس ۱۶ : ۱۹)

یہ ایک قابل مشاہدہ مادی واقعہ کا ریکارڈ ہونے کی بجائے ایک عقیدہ کا اظہار ہے، لوقا کا بیان اس معاملہ میں کوئی مزید روشنی نہیں ڈالتا۔

اس میں لکھا ہے :-

"جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان
پر اٹھایا گیا۔" (لوقا ۲۴ : ۵۱)

یسوع مسیح اس دفعہ ان سے جدا ہو گئے تھے اور ان لوگوں نے چشم جدید گواہ ہونے کا موقعہ کھو دیا تھا۔

ایک اور مشکل امر یسوع مسیح کے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھایا جانے کی راہ میں یہ پیش آتی ہے کہ ان کے آسمان پر چڑھ جانے کے بعد ان کی رہائش گاہ کون سی ہے اور ان کی مادی حاجات کس طرح پوری ہو رہی ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ یسوع مسیح کا آسمان پر اُٹھایا جانا مادی جسم کے ساتھ نہ تھا بلکہ ان کی روح اُٹھائی گئی تھی، تو پھر یہ سوال باقی رہ جائیگا کہ ان کے جسم کا کیا ہوا؟

ایسے اور اسی نوع کے دیگر سوالات کے جوابات ان کی آمد کے متعلق بھی تلاش کرنا پڑیں گے ..... خود یسوع مسیح نے مثبت طور پر اور بڑے زور دار طریق سے یہ کہا تھا۔

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس
نہیں بھیجا گیا..... لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔"

متی ۱۵ : ۲۴ و ۲۶۔)

اس بیان میں انہی جذبات کا عکس نظر آتا ہے کہ :-

"پاک چیز کتوں کو نہ دو اور موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو ایسا نہ ہو کہ
وہ ان کو پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تم کو پھاڑیں۔" (متی ۷ : ۶)

اب یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے صرف دو قبیلے یہودیہ میں رہتے تھے، جہاں کہ یسوع مسیح نے واقعہ صلیب تک اپنی عمر کا ایک بڑا حصّہ گزارا تھا۔ اس طرح حضرت مسیح نے اس وقت اپنے مشن کا ایک تھوڑا سا حصّہ پورا کیا تھا آپ نے خود بتا رکھا تھا کہ آپ نے ابھی اپنا پیغام اسرائیل کے دوسرے قبائل کو بھی پہنچانا ہے۔

چنانچہ یوحنا میں ہے :-

"اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں مجھے ان کو بھی لانا
ضرور ہے اور وہ میری آواز سنے گی پھر ایک ہی گلہ ہوگا اور ایک ہی چرواہا۔"

(یوحنا ۱۰ : ۱۶)

اگر واقعہ صلیب کے بعد یسوع مسیح کی زندگی زمین پر ختم ہو جاتی تو اس سے ان کے مشن کا یہ بہت بڑا حصہ پورا ہوئے بغیر رہ جاتا لہٰذا یہ یسوع مسیح کا فرض تھا کہ وہ ایسے ممالک کا سفر کرتے جہاں کے گمشدہ قبائل اپنی بابلیوں کی قید کے زمانہ میں پراگندہ اور منتشر ہو چکے تھے یسوع مسیح کو یہ یقین تھا کہ وہ اس کی آواز سنیں گے جس کے یہ معنے ہیں کہ وہ انہیں قبول کریں گے یہ ممالک ایشیا کے شمال مشرقی حصہ میں واقع تھے۔ یہ شام سے افغانستان اور کشمیر تک بلکہ ممکن ہے تبت تک پھیلے ہوئے تھے، ہم ان کی نشان دہی اگلے صفحات میں کریں گے۔

باب ہفتم

یسوع مسیح کی آمد ثانی

مذہبی دنیا گذشتہ عظیم مذہبی مصلحین کی آمد ثانی کے عقیدہ سے واقف ہے، لیکن یہ انتہائی عجیب بات ہے کہ وہ سب لوگ جو ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے منتظر ہیں، جو ایک عظیم الشان مصلح سے متعلق ہیں یہ توقع بھی رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مادی جسم کے ساتھ واپس آئیگا۔ یہ عقیدہ بڑی الجھن تحیّر اور اختلاف پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

خود یسوع کے بارہ میں ایک بات جس نے یہودی علماء کی مخالفت اور دشمنی کو تقویت دی ہے وہ ان کے مسیح ہونے کا دعویٰ تھا جس کی آمد کی پیشگوئی یہودیوں کے مذہبی صحیفوں میں کی گئی تھی۔ یہ پیشگوئی ملاکی ۴ باب کی پانچویں آیت میں یوں تھی کہ ایلیا نبی مسیح کی آمد سے پہلے بھیجا جائیگا، یسوع مسیح کے شاگردوں نے اس بارہ میں ان سے دریافت کیا۔

"پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیا کا پہلے آنا ضروری ہے اس (یسوع مسیح) نے جواب میں کہا ایلیاہ البتہ آئے گا اور سب کچھ بحال کریگا، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اسے نہیں پہنچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے متعلق کہا ہے۔" (متی ۱۷: ۱۰-۱۳)

"اور چاہو تو مانو ایلیاہ جو آنے والے تھے یہی ہے۔" (متی ۱۱: ۱۴)

"اور وہ (یوحنا) ایلیاہ کی روح اور قوت میں اس کے (یعنی مسیح)

آگے آگے چلیگا" (لوقا ۱:۱۷)

اس طرح یسوع مسیح نے یہ بات واضح کردی کہ کسی گزرے ہوئے مصلح کی دوسری آمد صرف یہ معنی رکھتی ہے کہ کوئی اور شخص اس گذشتہ مصلح کی قوت اور روح میں آئیگا۔

ایک اور پہلو آخری زمانہ میں ایک بڑے مصلح کی دوسری آمد کے متعلق یہ ہے کہ اس معلّم کا پیغام اور کام کیا ہوگا، ایسی آمد ثانی کا ذکر تقریباً ان تمام بڑے مذاہب کی پیشگوئیوں میں جو روئے زمین پر موجود ہے۔

اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں سے ہر ایک مصلح کا پیغام اور کام ایک ہی جیسا ہوگا۔ یا ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی آمد ثانی کے وقت ایک دوسرے سے مختلف اور الگ الگ پیغام دے گا؟ اگر ان سب کے پیغامات ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہوں گے تو پھر ایسا پیغام دینے اور اس پیغام کے مطابق نمونہ پیش کرنے کے لیے ایک سے زیادہ مصلحین کی ضرورت نہیں۔

لیکن اگر ان کے پیغامات الگ الگ ہوں اور باہم اختلاف و تضاد رکھتے ہوں تو اتنے زیادہ مصلحین کی آمد دنیا میں اتحاد، امن اتفاق اور روحانی تکمیل پیدا کرنے کی بجائے، عداوت، بے اتفاقی، دشمنی اور باہمی افتراق کو ترقی دینے کا موجب ہوگی۔

پچھلی کم و بیش دو صدیوں میں انسانیت اپنے ارادوں اور مقاصد میں اتحاد پیدا کرنے پر زور دے رہی ہے اور تمام تحریکات جو موجود ہیں وہ مختلف گروہوں کو باہم قریبی تعلق پیدا کرنے کی طرف لا رہی ہیں اور یہ بات اس بات کی قوی ترین علامت ہے کہ آخری زمانہ کا معلّم صرف ایک ہی شخص ہونا چاہیئے نہ کہ ایک سے زیادہ شخصیتیں۔

اس وقت حالات یہ ہیں کہ جہاں بنی اسرائیل ابھی تک مسیح کی پہلی آمد کے ہی منتظر ہیں، مسیحی لوگ پہلے مسیح کی ہی جلد وقوع والی دوسری آمد کے منتظر ہیں، ان کے نزدیک نزدیک یسوع مسیح پہلا مسیح تھا اور مسلمان تقریباً ایک صدی سے مہدی اور مسیح کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں۔ جن کی آمد کی اسلام کے مقدس نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کر رکھی ہے۔

یقیناً قرآن مجید نے آخری زمانہ میں خود مقدس نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی بعثت کی خبر دے رکھی ہے، چنانچہ فرمایا وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (سورۃ جمعہ : ۴-۵)

کہ دوسرے لوگوں میں انہی میں سے جو ابھی ان کو نہیں ملے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوگا یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔

قرآن مجید کی پیشگوئی هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره الکافرون (۹-۳۳) "کہ خدا وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کرے۔ خواہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے لوگ اس بات کو ناپسند ہی کریں" کے بارہ میں تمام مسلمانوں کا اسبات پر اتفاق ہے، یہ پیشگوئی آخری زمانہ میں آنے والے مسیح موعود نبی اللہ اور مہدی کے ذریعہ ظہور میں آئے گی۔

۱۔ گمان غالب یہ ہے کہ آخری زمانہ کا یہ بڑا معلّم اسلام کے دور میں اس کے اندر ظاہر ہوگا، اس قیاسی گمان کی تائید میں بہت سی باتیں ہیں، جن کی ہم پوری تفصیل اس مقام پر پیش کرنا نہیں چاہتے بلکہ ان میں سے صرف بعض زیادہ وضاحت رکھنے والے امور کا ذکر کر دینا ہی اس موقعہ پر کافی ہوگا، ان میں پہلی بات یہ ہے کہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید اعلان کرتی ہے کہ مقدس نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن ساری دنیا کے لیے ہے۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعاً (۷: ۱۵۹) اے نبی! تم کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

پھر فرماتا ہے۔ ما ارسلنٰك الا کآفة للناس بشیراً و نذیراً ولکن اکثر الناس لا یعلمون (سبا ۳۴-۲۹)

ہم نے تمہیں تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نیز فرماتا ہے ما ارسلنٰك الا رحمة للعالمین (۲۱ : ۱۰۸) کہ ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

۲- قرآن مجید جو اسلام کی دینی کتاب ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام بنی نوع انسان کے لیے ایک مکمل شریعت ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

رسولاً من الله یتلوا صحفاً مطھّرة فیھا کتب قیّمه (۹۸ : ۴)
ایک رسول خدا کی طرف سے پڑھ رہا ہے۔ مقدس صحیفے جن میں قائم رہنے والے احکام ہیں۔

وما ھو الا ذکر للعالمین (۶۸ : ۵۴) یہ قرآن ساری دنیا کے لیے شرف کا منبع ہے نیز فرمایا تبارك الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً (۲۵ : ۲) وہ ذات بڑی برکت والی ہے، جس نے اپنے بندہ پر امتیاز دینے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ہوشیار کرنے والا ہو۔

۳- قرآن مجید ہی وہ واحد دینی کتاب ہے جو خدائی فیصلہ کے ماتحت تحریف سے محفوظ ہے، چنانچہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون (۱۵ : ۱۰)
بے شک ہم نے ہی اس نصیحت کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں؛

قرآن مجید تمام الہامی صحف میں یہ اعلیٰ امتیاز رکھتا ہے، یہ سارا کا سارا لفظی وحی پر مشتمل ہے۔ یہ امر خود اپنی ذات میں ایک ضمانت ہے کہ نہ اسے محرف کیا جا سکتا ہے نہ توڑا مروڑا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید کی سالمیت کے متعلق تمام غیر مسلم علماء جنہوں نے تحقیق کی ہے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ ایک صحیح اصلی نسخہ اس وحی کا ہے جس کے اپنے اوپر خدا کی طرف سے نازل ہونے کا اسلام کے نبی حضرت محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو دعویٰ تھا، لیکن خدائی حفاظت کی ضمانت جو قرآن مجید کو حاصل ہے وہ صرف اس کے

متن کی سالمیت کی حفاظت سے ہی تعلق نہیں رکھتی بلکہ ان امور کی حفاظت سے بھی اس کا تعلق ہے جو حفاظت کے حق میں موثر ہیں۔

قرآن مجید چونکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے تا قیامت ہدایت آسمانی کا سرچشمہ ہے لہٰذا اس بات کی ضمانت بھی اس سے حاصل ہے کہ جس کلاسیکی عربی زبان میں یہ نازل ہوا وہ ایک زندہ زبان کی حیثیت سے ہمیشہ قائم رہے گی تاکہ قرآن مجید کے معانی کی تعیین و تفہیم میں کوئی مشکل پیش نہ آئے چنانچہ یہ کلاسیکی عربی زبان آج بھی دنیا میں کرۂ ارض کے ایک وسیع علاقے میں بولی اور لکھی جاتی ہے اور قرآن مجید جب نازل ہوا تھا اس وقت کے عربی زبان بولنے والوں سے بھی سینکڑوں گنا زیادہ افراد اب اسے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ خدائے قادر مطلق آپ کے اُمتیوں میں ہر صدی کے شروع میں ایسے افراد بھیجتا رہے گا جو مختلف اوقات میں زمانہ کی ضرورت کے مطابق قرآن کریم کے ذریعہ رہنمائی کرینگے، اب قرآن مجید کے علاوہ کسی بھی دوسری آسمانی کتاب کے متن اور زبان کی حفاظت اور مصلحین کے ذریعہ اس سے راہنمائی کا انتظام خدا کی طرف سے قائم نہیں۔

۴- قرآن مجید ایک وعدہ پر بھی مشتمل ہے کہ آخری زمانہ میں ایک نبی اسلام میں مبعوث ہوگا جو نہ صرف اسلام کا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور نمائندوں کی طرف سے ہونے والے متفقہ حملوں کا دفاع کرے گا، بلکہ ہر پہلو میں دوسرے مذاہب پر اسلام کی افضلیت کا ثبوت بھی مہیا کریگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کله ولو کرہ المشرکون (۹ : ۳۳)
کہ خدا وہ ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے دوسرے تمام دینوں پر غالب کرے خواہ خدا کا شریک ٹھہرانے والے اس بات کو ناپسند ہی کریں۔

قرآن مجید کے مفسرین متفق ہیں کہ وہ وعدہ جو اس آیت میں مذکور ہے مہدی اور

مسیح کے ذ یعہ پورا ہوگا جس کی آخری زمانہ میں آمد کی پیشگوئی مقدس نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہوئی ہے یہ شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی عکس ہوگا جیسا کہ آیت قرآنیہ (۶۲-۴) میں ظاہر کیا گیا ہے۔

۵- صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے۔ خواہ وہ کسی زمانہ اور کسی جگہ بھی ظاہر ہوئے ہوں، چنانچہ اس بارہ میں قرآن مجید میں ہے:-

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۳۵-۲۵)

یقیناً ہم نے تجھے ایک قائم رہنے والی سچائی کے ساتھ ایک خوشخبری دینے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ہشیار کرنے والا نہ آیا ہو۔

مسلمانوں کو اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ ہدایت دی گئی ہے کہ:-

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○

(البقرۃ ۲ : ۱۳۷)

"تم کہو کہ ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا ہے اور اس پر جو اتارا گیا ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور اس پر جو کچھ دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو کچھ دیا گیا تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ہم ان کے درمیان (ایمان لانے میں) کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدا تعالیٰ) کے پورے فرمانبردار ہیں"۔

یہ آیتیں بھی اس بات کی یقینی علامت ہیں کہ آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا معلم

اسلامی شریعت کے تابع ہوگا، کیونکہ وہ اس وقت تمام نبیوں کی صداقت پر ایمان رکھنے والا ہوگا اور ان میں سے کسی کا منکر اور اسے رد کرنے والا نہ ہوگا، وہ اس وقت تمام انبیاء کے لباس میں خدا تعالیٰ کا مرسل ہوگا۔

۶- یہ ظاہر ہے کہ وہ بڑا معلم جس کی آخری زمانہ میں بعثت کے متعلق پیشگوئی دنیا کے ہر بڑے الہامی مذہب میں کی گئی تھی وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی پانے والا ہوگا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکالمہ مخاطبہ کی نعمت سے مشرف ہوگا، یہ امر بھی اس بارہ میں بہت اہمیت کا حامل ہے جو صداقت کے متلاشی کو قائل کرے گا کہ وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ یہ موعود معلم اسلامی دور میں ظاہر ہوگا، کیونکہ دوسرے تمام مذاہب میں وحی والہام کا دروازہ لمبے عرصہ سے بند ہے اور ان تمام مذاہب کے پیرو اس نظریہ پر مضبوطی سے قائم ہیں کہ خدا سے ہمکلامی اب ممکن ہی نہیں، لہٰذا خدا کی طرف سے مکالمہ مخاطبہ کی نعمت کا پانے والا معلم و مصلح اسلام میں ہی آسکتا ہے۔

مسلمانوں میں اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ مہدی مسیح چودھویں صدی ہجری میں اندازاً عیسوی صدی کے آخری دس سالوں میں ظاہر ہوگا۔

کئی عیسائی کہلانے والے فرقوں کے مطابق انیسویں صدی کا آخر اور بیسویں صدی کا آغاز بھی مسیح کی دوسری آمد کا وقت خیال کیا گیا ہے۔

۱۸۸۹ء کے شروع میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہندی نے جو کئی سالوں سے خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف تھے یہ اعلان کیا کہ ان پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے کہ وہ مسیح موعود ہیں۔ جس کے بارہ میں اسلام کے مقدس نبی نے پیشگوئی کی ہوئی تھی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ مہدی اور مسیح ایک ہی شخص ہوگا۔

حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کے اس اعلان نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں سخت ناپسندیدگی اور بڑی دشمنی پیدا کر دی۔ اس وقت تک آپ مسلمانوں کے درمیان بڑی معزز شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ اسلام کے حق میں ان کی تحریرات میں نمایاں خدمت بالخصوص

آپ کی یادگار تحریر براہین احمدیہ ان سے خراج تحسین حاصل کر چکی تھی۔ براہین احمدیہ تو مسلمانوں کے نزدیک اسلام کے بنیادی اصولوں کو نمایاں کرنے میں ایک تاریخ ساز کارنامہ تھا، مگر مسلمانوں کے مذہبی علماء اور دوسری رہنما شخصیتیں بھی جو براہین احمدیہ کی بے حد تعریف کر چکے ہوئے تھے۔ اس دعویٰ پر آپ کے مخالف ہو گئے اور نہایت سخت الفاظ میں آپ کی مذمت کرنے لگے، سربرآوردہ مذہبی علماء نے آپ کو کافر اور اسلام کی چار دیواری سے خارج قرار دینے کا اعلان کر دیا اور بعض تو آپ کی مخالفت میں اس حد تک بڑھ گئے کہ ان کے نزدیک آپ کو قتل کر دینا قابل تعریف کام تھا۔

اسی زمانہ میں اپنے دعویٰ کے اعلان کے ساتھ ہی حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ایک جماعت کی تاسیس کی جس نے آپ کی بیعت کی اور جو آپ کی ہدایت کے ماتحت احمدیہ جماعت کہلائی۔ یہ جماعت اسلام میں احمدیہ تحریک کے نام سے معروف ہوئی۔ اس جماعتی تحریک کے آغاز میں ۳۱۳ مخلص اور نیک مسلمان آپ کی بیعت کا عہد کر کے اس تحریک میں شامل ہوئے تو اس وقت سے مخالفت اور دشمنی کی لہر کا رخ نہ صرف آپ کی طرف رہا بلکہ اس کا رخ جماعت احمدیہ کے ہر ممبر کی طرف ہو گیا یہ سب احمدی کافر اور اسلام کی چار دیواری سے خارج قرار دیئے گئے اور انکے خلاف شدید ایذا رسانی کا باب کھل گیا۔ ہماری موجودہ کتاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہم اس میں اس اذیت کی تفصیل درج کریں جو انہیں پہنچائی گئی مگر ان سے ایذا رسانی کا جو سلوک بھی مخالفین کی طرف سے ہوا انہوں نے اسے نہایت صبر اور تحمل سے برداشت کیا اور وہ اپنے امام کی ہدایت کے ماتحت اپنی روحانی ترقی و نیکی کے جذبہ کو گہرا کرنے، خدا تعالیٰ کی معرفت میں اضافہ کرنے خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے اور اپنی زندگیوں کو پورے طور پر فائدہ بخش نمونہ بنانے میں مصروف ہو گئے، ان مقاصد کے حصول میں ان کا بڑا ذریعہ اخلاص کے ساتھ خدا سے عاجزانہ دعائیں اور التجائیں تھیں۔

قدامت پسند مسلمانوں کے گروہ کی مخالفت اور دشمنی کی بنیاد جس کا نشانہ حضرت

بانیٔ سلسلۂ احمدیہ تھے آپ کا مسیح موعودؑ ہونے کا دعویٰ تھا۔

قرآن مجید کی اس واضح توثیق کے خلاف کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واقعہ صلیب کے لمبے عرصہ بعد طبعی وفات پائی تھی۔ یہ لوگ اس غلط اعتقاد پر سختی سے قائم تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حادثۂ صلیب سے پہلے ہی معجزانہ طور پر اپنے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور وہ اُسی مادی جسم کے ساتھ آخری زمانہ میں کسی وقت آسمان سے زمین پر اُتر آئیں گے۔

یقیناً یہ لوگ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے مادی جسم کے ساتھ ہی آسمان سے زمین پر اترنے کے منتظر تھے، جبکہ بانی تحریک احمدیہ نے اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کا اعلان کیا، ان کے اندازہ میں آپ کا یہ دعویٰ بالکل بعید از قیاس تھا کیونکہ وہ سمجھ ہی نہیں سکے تھے کہ کس طرح وہ مسیح جو اپنے مادی جسم کے ساتھ آسمان میں رہائش پذیر تھے۔ اپنے آپ کو اچانک مرزا غلام احمد صاحب کے وجود میں ظاہر کر سکتے تھے۔ جیسے وہ اس کی پیدائش ۱۸۳۵ء سے ہی اپنے میں سے ایک شخص کے طور پر بغیر کسی بھی معجزانہ دعویٰ کے جانتے تھے۔

اس طرح اب یہ سوال کہ آیا حضرت مسیح علیہ السلام واقعۂ صلیب کے لمبے عرصہ بعد طبعی وفات پا گئے یا وہ بغیر کوئی ایذا اٹھائے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور اب زمین پر انہی کی آمد کا لوگوں کو انتظار ہے، حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور قدامت پسند مخالف علماء دین کے درمیان سخت اختلاف کا موضوع بن گیا۔

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ اسلام کے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اُمتی اور جان نثار ہیں اور یہ کہ آپ یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نبیوں کے سردار ہیں کامل اُمتی اور خادم نہ ہو وہ آپ کے تابع مقام نبوت نہیں پا سکتا اور اب یہ تابعیت والا مقام نبوت خدا تعالیٰ کے علم اور حکمت کے مطابق صرف ایک ایسے سچے مسلمان کو ہی عکسی اور ظلی طور پر مل سکتا ہے جو پورے طور اپنی روحانی شخصیت کو اپنے رسولِ مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

وجود میں محو کر دے۔ یہی آپ کا دعویٰ تھا کہ آپ کو خالصتہً خدا تعالیٰ کے فضل اور رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی افاضہ سے آپ کی پیروی اور خادمیت میں مقام نبوت ملا ہے۔ اسی دعویٰ پر آپ کی مخالفت قدامت پسند مسلمانوں کی طرف سے شدت اختیار کر گئی۔ قدامت پسند مسلمانوں کے وسیع گروہ سے آپ کو علیحدہ کیا جانے کا باعث یہ امر ہوا کہ یہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کے جاری رہنے کا امکان نہیں، لیکن (عجیب بات ہے کہ) اسی دم وہ یہ بھی مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترنے پر ایک نبی کا منصب ہی رکھتے ہوں گے۔

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے فیصلہ کن دلائل اپنے دعویٰ کی صداقت کی تائید میں پیش کئے اور آپ کی جماعت مسلسل بڑھتی چلی گئی۔ قدامت پسند مسلمانوں کے بڑے گروہ کی دشمنی کسی طرح بھی کم نہ ہوئی، اس جگہ ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم علمی لحاظ سے ان علمی اختلافات کو واضح کریں جنہوں نے بانیٔ سلسلۂ احمدیہ اور قدامت پسند عوام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔

تاہم اگر ہم اس میں اختصار سے کچھ باتیں بیان کر دیں تو یہ امر سچائی کے متلاشیوں کے لیے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کو جانچنے میں ممد ہوگا۔

دارقطنی کی احادیث نبویہ کی مستند کتاب میں ایک حدیث میں امام مہدی کی یہ واضح علامت بروائت امام باقرؒ یوں بیان ہوئی ہے:۔

"ہمارے مہدی کے دو نشان ہیں، جو کسی اور مدعی کے لیے جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے کبھی ظاہر نہیں ہوتے وہ نشان یہ ہیں کہ اس وقت ماہِ رمضان المبارک میں چاند کو (مقررہ راتوں میں سے) پہلی رات کو اور سورج کو اس کے (مقررہ دنوں میں سے) درمیانے دن کو گرہن لگے گا۔"

اب یہ ایک آسمانی نظارہ ہے جو صرف اس خدائی قانون کے ماتحت ہی ظاہر ہو سکتا

ہے۔ جو اجرام سماوی کے نظام کے لیے خدا کی طرف سے مقرر ہے اور کوئی شخص اس کی از خود تجویز نہیں کر سکتا اور نہ اس کے وقوع میں جلدی کر سکتا ہے اور نہ تاخیر ڈال سکتا ہے اور اس کا وقوع صرف مقررہ تاریخوں پر ہی ہو سکتا تھا، اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب اس چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقوع کے بعد دعویٰ کرتے تو یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ آپ نے اس امر کے وقوع سے متاثر ہو کر یہ دعویٰ پیش کر دیا ہے اور آپ امام مہدی نہیں، لیکن جاذب توجہ حقیقت یہ ہے کہ ان دو نشانوں کا وقوع نہ صرف حدیث کی پیشگوئی میں بیان کردہ مقررہ تاریخوں پر ہوا، بلکہ یہ گرہن حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کے دعویٰ مہدویت کے تقریباً ٹھیک پانچ سال بعد وقوع پذیر ہوا۔

چاند گرہن عموماً چاند کے مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو اور سورج گرہن ۲۷-۲۸-۲۹ تاریخ کو وقوع میں آتا ہے۔ اس لیے حدیث میں بیان کردہ نشان یہ تھا کہ چاند کی تیرھویں رات کو اور سورج کو چاند کے مہینے کے اٹھائیسویں دن کو گرہن لگے گا اور یہ دونوں نشان رمضان المبارک کے مہینے میں وقوع میں آئیں گے یہ دونوں نشان مہدی کے دعویٰ کے بعد وقوع پذیر ہونگے، نہ کہ پہلے۔ سو ایسا ہی وقوع میں آیا کہ چاند کو تیرھویں رات رمضان المبارک میں ۱۳۱۱ھ بمطابق ۲۰ مارچ ۱۸۹۴ء کو گرہن لگا اور سورج کو اسی رمضان المبارک میں چاند کی اٹھائیسویں تاریخ کو مطابق ۶ / اپریل ۱۸۹۴ء کو گرہن لگا۔ یہ دونوں نشان ۱۸۹۴ء کے رمضان المبارک میں پیشگوئی کے مطابق وقوع پذیر ہوئے۔

یہی نظارہ اگلے سال یعنی ۱۸۹۵ء میں یونائٹڈ سٹیس امریکہ میں دہرایا گیا۔

یہ نشان دکھانے کا ایک حیران کن سلسلہ ہے جو نہ صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے امام مہدی ہونے کی زبردست دلیل بنا بلکہ ایک غیر معمولی طریق سے اس حدیث کی پیشگوئی نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت بھی مہیا کیا ہے۔

اس نظارہ کے ظہور نے بہت سے صداقت پسند لوگوں کی توجہ کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی طرف کھینچا اور کئی لوگ اس نظارہ کے اثر سے متاثر ہو کر آپ کی جماعت میں

شامل ہو گئے۔

چونکہ بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ علاوہ دیگر امور کے مقدس نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی عکس اور ظل ہونے کا ہے۔ اس لیے یہ انہی معیاروں پر جانچا اور پرکھا جائیگا جو قرآن مجید میں حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی صداقت کو پرکھنے کے لیے بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک معیار یہ ہے کہ:-

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

(یونس - ۱۷)

"اگر خدا چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہیں پڑھ کر نہ سناتا نہ تم کو اس کا علم دیتا۔ میں نے اس سے پہلے تم میں ساری عمر گذاری ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لوگے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی توجہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے بارے میں سوال کرتے تھے، اس بات کی طرف مبذول کرائی ہے کہ آپؐ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی اور رسول ہونے کے دعویٰ کرنے سے پہلے بالکل بے عیب اور پاکیزہ عمر بسر کی ہے اور آپ نے کبھی جھوٹ بولنے کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے ہمعصر لوگ آپ کو امین کہہ کر پکارا کرتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ قابل اعتماد امانت دار ہیں۔ ایسا شخص جس نے کسی انسان کے خلاف بھی کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ کبھی بھی اچانک خدا تعالیٰ کے خلاف جھوٹ ایجاد نہیں کر سکتا اور اگر وہ فی الواقعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ بھیجا گیا ہو تو یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ خدا اس سے ہمکلام ہوا ہے آپ کے ہمعصروں کی متفقہ شہادت یہی تھی۔ آپ نے کبھی جھوٹ بولنے کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی زندگی بھی دعویٰ کرنے سے پہلے اسی طرح بے عیب اور قابل تعریف تھی۔ یہ حقیقت ان لوگوں کی گواہی سے ثابت ہے کہ جو آپ سے چھوٹی

عمر سے واقف تھے۔

یہ تو ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ آغاز جوانی سے ہی آپ نے ابدی صداقتوں کے مطالعہ اور ان کے مطابق عمل کرنے کے لیے اپنے تیئں وقف کر رکھا تھا اور آپ کا انتہائی مقصد زندگی یہی تھا کہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کریں، اپنی روزمرہ کی زندگی میں آپ نے بلند ترین اخلاق کے مظاہرہ کی مثال قائم کی ہے۔ جب آپ نے دعویٰ کیا اور آپ کی شدید ترین مخالفت ہو رہی تھی۔ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کی دعویٰ سے پہلی زندگی کے متعلق کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتے تھے جو آپ کی ذاتی زندگی پر ایک چھوٹا سا دھبہ بھی لگانے والی ہو۔

جانچنے کے لیے ایک اور معیار اس بارہ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو بہت سے امور غیبیہ سے اطلاع دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے:-

عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ (۷۲: ۲۷-۲۸)

خدا تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب کی کسی کو کثرت اطلاع نہیں دیتا سوائے اس شخص کے جسے اپنا برگزیدہ یعنی رسول بناتے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے رسول اور نبی کو اپنے کلام کے ذریعہ غیب کی اتنی خبریں دیتا ہے جتنی وہ دینی چاہے پس ایک مدعی نبوت کی سچائی کا فیصلہ ان پیشگوئیوں کے رو سے کرنا چاہیئے، جنہیں وہ اس بنیاد پر پیش کرتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے دیئے گئے امور غیبیہ پر مشتمل ہیں۔ یہ پیشگوئیاں نجومیوں اور رمالوں کی اٹکل پچو پیش خبریوں کی طرح نہیں ہوتیں بلکہ ان میں پُر شوکت اور یقین پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جو انہیں اٹکل پچو پیش خبریوں اور قیاسی پیشگوئیوں سے صاف طور پر امتیاز دیتی ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بہت سی پیشگوئیاں کیں۔ جن کی ایک بڑی تعداد آپ کی زندگی کے ایام میں اپنے معینہ وقت میں پوری ہوگئی اور ان میں سے بہت سی آپ کی وفات کے بعد اپنے وقت پر پوری ہوئی ہیں، کچھ ان میں سے مستقبل سے متعلق ہیں اور یادہ ہیں جو پوری ہوتی جا رہی ہیں۔ یا جن کے پورا ہونے کا انتظار ہے۔ اگر ان سب پیشگوئیوں کو ان کی پوری تفصیل سے اُس وقت کے موجود ماحول کے بیان کے ساتھ لکھا جاتے تو اس کے لیے کتابوں کی کئی جلدیں لکھی جانی چاہئیں۔ ہم اس جگہ بطور وضاحت صرف ایک مثال ان میں سے پیش کرتے ہیں، جو بظاہر نہایت ہی سادہ ہے مگر غور کرنے والی نگاہ کے لیے اس میں غیر معمولی امور موجود ہیں۔

آپ پر جو وحی بالکل ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی اس میں سے ایک یہ تھی کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" (اخبار الحکم ۲۰ اگست ۱۸۹۸ء)

ان حالات میں جن میں یہ وحیِ الٰہی آپ پر نازل ہوئی۔ آپ کے مخالفوں کو یہ ایک موہوم گپ معلوم ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں آپ قریباً خلوت کی زندگی گزار رہے تھے اور آپ کو بہت تھوڑے لوگ جانتے تھے۔ آپ کے ذرائع بھی معمولی تھے اور آپ کے تعلقات باقی دنیا سے تقریباً کٹے ہوئے تھے۔ کیونکہ قادیان جہاں آپ رہائش پذیر تھے وہ ہندوستان کے پسماندہ صوبہ پنجاب میں ایک دور اُفتادہ چھوٹا سا قصبہ تھا۔ اسے وہ سہولتیں بھی حاصل نہ تھیں، جو اس جیسے اور چھوٹے قصبات کو حاصل تھیں، اس کی آبادی دو ہزار افراد سے متجاوز نہ تھی۔ اس میں صرف ایک سب پوسٹ آفس تو موجود تھا، لیکن ٹیلیگرام آفس موجود نہ تھا اور اس کا قریب ترین ریلوے اسٹیشن وہاں سے گیارہ میل دور تھا جس تک پہنچنے کے لیے پکی سڑک موجود نہ تھی، بلکہ اس کی بجائے ایک ناہموار اور گرد آلود کچی سڑک تھی۔ جس میں گڑھے پڑے ہوتے تھے اور جس پر صرف آہستہ چلنے والی بیل گاڑیاں اور ایک گھوڑے والے بغیر سپرنگوں کے یکے چلتے تھے اور جو خطرناک طور پر اچھلتے رہتے تھے اور کسی گڑھے پر اچھل کر سواریوں کو بھاری گرد میں گرا کر لت پت کر دیتے تھے جن میں بعض سخت زخمی بھی ہو جاتے تھے، یہ سواریاں قادیان سے بٹالہ تک کا ۱۱ میل کا فاصلہ تین گھنٹوں میں طے

کرتی تھیں، جہاں کہ ریلوے سٹیشن اور ٹیلیگرام آفس موجود تھا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اگرچہ حیران کن درجہ تک مذہبی علم رکھتے تھے اور عربی فارسی اور اُردو میں بھی اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے تھے مگر آپ انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں کو نہیں جانتے تھے، دوسرے مذاہب کے متبعین اور نمائندے مسلمانوں کو شامل کرتے ہوئے آپ کے دعویٰ کے خلاف نفرت کا اظہار کر رہے تھے اور اس کی پورے زور سے تردید کر رہے تھے۔ ایسے حالات میں جب آپ کو خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہ کہا کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" تو دنیا داروں کی نگاہ میں اس کے پورے ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن مخالفوں کو حیران اور آزردہ چھوڑتے ہوئے یہ پیشگوئی بڑے مؤثر اور حیران کن طریق سے پوری ہوگئی۔ اب خدا کے فضل سے سینکڑوں احمدیہ مشن کرۂ ارض پر موجود ہیں جو شب و روز حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا پیغام اور تعلیم ان لوگوں کو پہنچانے میں مصروف ہیں۔ جن میں وہ کام کر رہے ہیں۔ اس تحریک کی شاخیں اب زمین کے ہر حصہ میں قائم ہو چکی ہیں۔ اب یہ تحریک نہ صرف ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک میں بڑی بڑی جماعتوں پر مشتمل ہے، بلکہ اس کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں یورپ اور امریکہ میں بھی موجود ہیں۔ اب حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو ماننے والوں کی جماعت ایک کروڑ افراد سے بھی متجاوز ہو چکی ہے اور دن بدن ترقی پذیر ہے اگر یہ امر خدائی مقصد نہ ہوتا جس کا خدا تعالیٰ نے آپ کے دعویٰ کے آغاز میں ہی اظہار فرما دیا تھا تو آپ اپنی کسی تدبیر اور منصوبہ سے اس مقصد کو مخالفوں کی اسے ناکام کرنے کے لیے انتہائی کوشش کی موجودگی میں کبھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔

اس تحریک کی مخالفت اور اس کے ماننے والوں کو اذیت دینا اور اپنے سے علیحدہ کرنا دنیا کے بہت سے حصوں میں جاری ہے، لیکن یہ باتیں عجیب طرح سے احمدیہ تحریک کی اشاعت اور پھیلاؤ کے لیے ایک زبردست وسیلہ کا کام دے رہی ہیں۔

ایک اور امر جو اس تحریک کے پھیلنے سے مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ ایک بڑی تعداد لوگوں کی جو جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ اُن کی شدید مخالفت ہو رہی تھی اور

انہیں ایذا رسانی کی دھمکیاں بھی دی جا رہی تھیں۔ ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنی خوابوں اور کشوف کے ذریعہ جن سے انہوں نے یقین اور تسلی پائی، جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے۔ یہ بات اُنہیں عاجزانہ اور متضرعانہ دعاؤں کے نتیجہ میں حاصل ہوئی۔ قرآن مجید میں خدا تعالےٰ کے بیان کردہ ذیل کے الفاظ ایسے واقعات کے ہی مطابق ہیں۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا

یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور جو لوگ ہمیں پانے کی کوشش کریں ہم یقیناً انہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں۔

مقدس نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دشمنوں کی تدابیر اور منصوبوں کے بالمقابل حفاظت کا وعدہ بھی دیا گیا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (المائدہ ۶۸)

"اے رسول جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو پھر تو نے خدا کے پیغام پہنچانے کا حق ادا نہ کیا ہوگا اللہ تعالیٰ لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔"

اب ساری دنیا جانتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپؐ کی ساری زندگی میں آپؐ کی معجزانہ حفاظت فرمائی۔ آپؐ کے دشمنوں نے آپ کو ہلاک کرنے کے لیے ہر قسم کا منصوبہ آزمایا اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کوششوں میں انہیں پورے طور پر ناکام رکھا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بھی ایسا ہی خدائی وعدہ پایا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (تذکرہ ص۲۸۰)، یعنی اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ پس آپ کے بارہ میں بھی یہ خدائی ضمانتِ حفاظت پورے طور پر وقوع میں آئی۔ گو آپ کو از خود کوئی ایسے ذرائع حاصل نہ تھے، جو آپ کی حفاظت کو دشمنوں کی تدابیر اور منصوبوں کے بالمقابل یقینی بناتے، آپ

ہر وقت خطرہ کے سامنے تھے اور آپ کو بے باکی کے ساتھ بڑی آسانی سے قتل کیا جا سکتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے وعدہ کے برعکس قرآن مجید جھوٹے مدعیٔ وحی الٰہی کے خلاف ایک خوفناک خدائی تنبیہ یوں کرتا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۖ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (الحاقہ: ۴۵ تا ۴۸)

"اگر یہ مدعی کوئی جھوٹی بات اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم یقینا اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی بھی ہمیں اس سے روک نہ سکتا۔"

اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ ایک جھوٹے مدعیٔ وحی کو کبھی ترقی نہیں دیتا بلکہ اسے یقینی طور پر تباہ کر دیتا ہے قرآن مجید کے تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ ان آیاتِ قرآنیہ میں ایک تباہی کے فیصلہ کا اعلان اس شخص کے متعلق کیا گیا ہے جو جھوٹ موٹ خدا تعالیٰ سے وحی پانے کا دعویٰ کرے اور ۲۳ سال تک اس دعویٰ پر مصر رہے جو وحی کے دعویٰ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ماموریت ہے، حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنی کتاب براہین احمدیہ کی اشاعت سے قبل ہی اور مہدی مسیح ہونے کے دعویٰ سے کافی عرصہ پہلے ہی اس بات کے مدعی تھے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل ہے۔ آپ خدا تعالیٰ سے وحی کے ذریعہ مکالمہ مخاطبہ رکھنے کا شرف پانے کے دعویٰ پر ۳۰ سال سے بھی زیادہ عرصہ مصر رہے اور اس دوران آپ کو تائید الٰہی حاصل رہی اور حفاظت کا وعدہ بھی ملا جو پورا ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی زندگی نے ایک حیران کن نظارہ خدا تعالیٰ کے فضل سے فتح پر فتح پانے کا مہیا کیا۔

قرآن مجید میں یہ خدائی شہادت مذکور ہے کہ حضرت رسول کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی طور پر اعلیٰ اخلاق رکھتے تھے چنانچہ فرمایا اِنَّكَ لعلیٰ خلق عظیم (۶۸-۵)

اس پہلو میں بھی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس تھے، کیونکہ آپ کی

زندگی نے بھی ہر پہلو میں آپ کے بلند ترین اخلاقی معیار پر ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے آپ کی خدا کے رسول سے محبت اور ان کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دینے پر آپ کی تحریروں کا ہر ہر صفحہ اور آپ کے ملفوظات اور گفتگو کا ہر پیراگراف شاہد ناطق ہے اور آپ کے روزمرہ کے کردار کے آئینہ میں بھی اسی کی جھلک موجود ہے۔ آپ نے اپنی ایک فارسی نظم میں بیان فرمایا ہے ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم　　　گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

"کہ خدا تعالیٰ کے عشق کے بعد میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں سرشار ہوں، اگر یہ کفر ہے تو خدا کی قسم میں پھر بڑا کافر ہوں"۔

قرآن کریم سے آپ کی محبت خوب معروف تھی، چنانچہ آپ کی جو نظمیں ایسے عاشقانہ جذبات کو بیان کرتی ہیں۔ آپ کے شدید ترین دشمن بھی آپ کے ایسے اشعار کو جو قرآن کریم کی تعریف میں تھے پبلک جلسوں میں پڑھکر سناتے تھے۔

آپ نے اپنے تئیں ایک بہت بڑا بطلِ اسلام ثابت کیا ہے اور آپ نے مؤثر طور پر ہر پہلو میں دوسرے مذاہب پر اسلام کی برتری اور افضلیت کا ثبوت قائم کیا ہے۔

آپ نے دیگر مذاہب کے نمائندوں کو اسلام کی دیگر مذاہب پر افضلیت کی تائید میں چیلنج پر چیلنج دیا، لیکن ان میں سے کوئی بھی اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

آپ نے ایک جماعت کی بنیاد رکھی جس کے افراد نے خدا تعالیٰ کے بارہ میں اپنی زندہ رہنے والی عقیدت کو اور خدا کی رضا کے حصول کو اپنی زندگیوں کا مقصد اور مطمح نظر بناتے ہوئے اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ عام میلان بالخصوص نام نہاد ترقی یافتہ لوگوں کا یہ تھا کہ خدا سے منہ موڑلیں اور اسے رد کر دیں ایک بے نظیر صورت میں پیش کیا ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر جو وحی نازل ہوئی اس میں سے ایک وحی میں آپ کو جری اللہ فی حلل الانبیاء یعنی خدا کا پہلوان نبیوں کے لباس میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اور آپ کی زندگی کے ہر لحظہ نے آپ کو اس خطاب کا مستحق ثابت کیا ہے آپ کی بعثت

کے وقت اسلام دیگر تمام مذاہب بالخصوص عیسائیت کے حملوں کے مقابلہ میں ہندوستان میں پیچھے ہٹ کر لڑا جانے والی لڑائی لڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں مسیحی مشنریوں نے اسلام کے خلاف ایک جارحانہ محاذ جاری کر رکھا تھا، اس محاذ میں وہ اس رعب کو خوب استعمال کر رہے تھے جو برطانیہ کو یہاں حاصل تھا، جو ہندوستان کی ایک مسیحی حکومت کا حکم رکھتی تھی۔

تاہم جونہی کہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے قرآن مجید کی بنیادوں پر اسلام کی مدافعت کا بیڑا اٹھایا، عیسائی مشنریوں کی ریل پیل جلد کم ہونے لگی اور وہ اپنے عقائد اور اصولوں کے لیے مدافعانہ رویّہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کا کامیاب بطلِ اسلام ہونا آپ کے سخت ترین دشمنوں کو بھی مسلّم ہے۔

یسوع مسیح نے کہا تھا کہ ان کی دوبارہ آمد کی علامت زلزلے، پلیگ اور وبائیں۔ جنگیں اور جنگوں کی افواہیں وغیرہ ہونگی، یہ تمام علامات اس زمانہ میں ظاہر ہو چکی ہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ یسوع مسیح کی آمد کا ایک دوسرے شخص میں ظہور ہو چکا ہے، جو کہ یسوع مسیح کی روح اور قوت میں آیا ہے۔

مسلمان اسلام کی چودھویں صدی کے آغاز میں مہدی مسیح کی آمد کے منتظر تھے، اب یہ صدی ختم ہونے کو ہے اور مہدی مسیح کو اس کے شروع میں ہونا چاہیئے تھا، صرف حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام ہی وہ شخص تھے جنہوں نے صدی کے شروع میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ پیشگوئیاں جو یہ بتا رہی تھیں۔ کہ آخری زمانہ میں خدا سے وحی پانے والا ایک معلّم ظاہر ہوگا وہ میری بعثت سے پوری ہو گئی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی مسیح کے کاموں کے متعلق یہ وضاحت فرمادی تھی کہ وہ احیاء اسلام، اسلامی شریعت کے قیام اور اس کو مضبوط کرنے کے لیے آئیگا اور نیکی کی اشاعت کریگا اور بدی کو مغلوب کریگا اور یسوع مسیح کی صلیب پر موت کے افسانہ کی اصل حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔ آپ کی وفات تک جو ۱۹۰۸ء میں ہوئی ان تمام مقاصد میں سے ہر ایک کے حصول کے لیے قوی لہریں جاری ہو چکی تھیں۔ اور اس میں جو شاندار کامیابی

حاصل ہوئی، وہ آنے والے دنوں میں ان کاموں میں ترقی اور پوری کامیابی کی ضمانت تھی۔

اس طرح آپ کی بعثت نے وہ تمام پیشگوئیاں پوری کردیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی پانیوالے آخری زمانہ میں آنیوالے مصلح اور معلم کے لیے کی گئی تھیں۔

آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں مذاہب عالم میں سے تمام بڑے بڑے ترقی یافتہ مذاہب کے عقائد اور تعلیم کے اُن کمزور پہلوؤں کو ظاہر کیا جو اسلام سے اختلاف رکھتے تھے اور اس وقت کی مسیحیت کے مروجہ عقائد اور تعلیم کے متعلق آپ کے تجزیہ اور توضیح نے ان کو برباد کردیا اور ان کے پرخچے اُڑا دیئے۔ ۱۸۹۰ء کے آغاز میں آپ نے اعلان کیا کہ یسوع مسیح نے صلیب پر وفات نہیں پائی اور ۱۸۹۹ء میں آپ نے ایک کتاب "مسیح ہندوستان میں" شائع کی جو اس مضمون پر مشتمل ایک مقالہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح نے صلیبی موت سے نجات پائی اور آپ نے صلیبی موت سے بچ کر ان ممالک کا سفر کیا جہاں بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل منتشر تھے اور بالآخر کشمیر میں قیام فرمایا اور وہاں ہی وفات پائی۔ اس کتاب کی اشاعت نے مذہبی حلقوں میں ایک بڑی حرکت پیدا کی اور مسیحی کلیسیا کے لیے تو یہ زبردست دھچکا ثابت ہوئی۔ اس نے بہت شور پیدا کیا اور اس مقالہ کا عیسائی مشنریوں نے حقارت سے مذاق بھی اڑایا، حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بتایا کہ آپ نے یہ مقالہ خدا کے الہام کی روشنی میں لکھا ہے اب چونکہ یہ پبلک میں پیش کیا جا چکا ہے، اس لیے خدا تعالیٰ اپنی حکمت سے ایسی تاریخی شہادات کو روشنی میں لے آئے گا، جو اس مقالہ میں پیش کردہ نتائج کی صحت کو ثابت کریں گی۔ یہ درست ہے کہ شہرت یافتہ مصنفین جنہوں نے یسوع مسیح کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ اس امر پر گہرے شبہ کا اظہار کیا تھا کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دی، لیکن کسی نے بھی یسوع مسیح کے صلیب سے زندہ بچ جانے کو اس صفائی کے ساتھ پیش نہیں کیا تھا جس یقین اور وضاحت کے ساتھ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے پیش فرمایا:۔

مزید برآں جہاں تک ہمیں علم ہے آپ وہ پہلے شخص ہیں جس نے حضرت مسیح کے واقعہ صلیب کے بعد کی زندگی پر روشنی ڈالی۔ اور ان کے ان ممالک میں سفر کرنے کی نشان دہی کی جہاں بنی اسرائیل کے کچھ گمشدہ قبائل پائے جاتے تھے اور آپ نے اس بارہ میں ایک واضح بیان

پیش کیا کہ حضرت مسیح نے کشمیر میں وفات پائی اور سری نگر کے محلہ خانیار میں دفن ہوئے جہاں کہ ان کی قبر کی آج بھی زیارت کی جا سکتی ہے۔

اگر ایک دفعہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے تھے اور اس طرح لعنتی موت وقوع میں نہیں آئی تھی تو نہ ان کے لوگوں کے گناہ اُٹھا لینے اور ان کے لیے کفارہ بن جانے کا عقیدہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ان کی قیامت قائم ہونے (یعنی مرے دوسرے جسم میں زندہ رہنے) کا عقیدہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ آسمان پر چڑھ جانے کا عقیدہ قائم رہ سکتا ہے۔

اور اس طرح مسیحی کلیسا کی دینیات کا تمام ڈھانچہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ پولوس جو مسیحی کلیسا کا اصل بانی ہے وہ خود کہتا ہے:

"چنانچہ میں نے سب سے پہلے تمہیں وہ بات پہنچا دی جو مجھے پہنچی تھی کہ مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لیے مرا، اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اُٹھا۔۔۔۔ اگر مسیح جی نہیں اٹھا تو ہماری منادی بھی بے فائدہ ہے اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ"

(کرنتھیوں ۱۵ - ۳-۴ و ۱۴)

ڈاکٹر ایس ایم زویمر امریکہ کے ایک مشہور مشنری نے یہ اعلان کیا تھا کہ:۔

"اگر ہمارا عقیدہ مسیح کے صلیب پر مرنے کا غلط ہے تو ہماری ساری مسیحیت ہی باطل ہے"

باب ہشتم

واقعہ صلیب کے بعد

حضرت مسیح علیہ السلام کی واقعہ صلیب کے بعد کی زندگی ایک سربستہ راز رہی ہے۔ جو معلومات اس وقت تک مہیا ہو سکی ہیں، وہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ یہودیہ سے شمال کو چلے گئے تھے اور وہ غالباً دمشق میں بھی گئے اور پھر کسی مقام سے وہ مشرق کی طرف روانہ ہوگئے اور دوسرے مقامات کے علاوہ وہ نصیبین میں بھی جو موصل سے کچھ فاصلہ پر ہے کچھ عرصہ ٹھہرے پھر وہ ایران میں داخل ہوئے اور تدریجاً ہرات کے راستے افغانستان میں پہنچے۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے افغانستان سے ہندوستان کی طرف سفر کیا اور اس کے بعد کشمیر میں رہائش پذیر ہوگئے۔ اس امر کی شہادت بھی ملتی ہے کہ آپ نے تبت کے بعض مقامات کو بھی دیکھا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سفر کی راہ پر رہنے والے لوگ ان پر ایمان بھی لائے تھے۔ بہت سی روایات اور کچھ یقینی شہادات ایسی ملتی ہیں کہ آپ کشمیر میں عام طور پر قبول کر لیے گئے تھے اور یہ امر یقینی ہے کہ اس جگہ بڑی عمر کے ہو کر آپ نے وفات پائی۔ آپ کی قبر سرینگر کے محلہ خانیار میں خوب مشہور ہے اور بہت سے زائرین کی دلچسپی کا باعث ہے جن میں علماء بھی ہیں، تاریخ دان بھی، ماہرین آثار قدیمہ بھی اور لارڈ ہیلی فیکس (LORD HALIFAX) کی طرح کے سربرآوردہ لوگ بھی۔ جس نے وقت نکال کر اس مقبرہ کی زیارت کی جو شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر کے نام سے شہرت یافتہ ہے۔

یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ دمشق کے اندر اور اس کے اردگرد یہود کی ایک بڑی جماعت رہتی تھی جنہیں دیکھنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گمشدہ بنی اسرائیل کے قبائل کے علاقوں کے لیے اپنا سفر شروع کرنے کے ابتداء میں دلچسپی لی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس کر کے کہ اب آپ زیادہ عرصہ گلیل میں محفوظ نہیں رہ سکتے

گمشدہ اسرائیلی قبائل کی ملاقات کے لیے اپنا سفر مشرق کی جانب دمشق کی راہ سے شروع کیا۔ دمشق میں آپ کافی عرصہ رہے اور اپنے کچھ شاگرد اننی آس (ANANIAS) وغیرہ بنائے یہی وجہ تھی کہ یہودی حکام نے وہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی ایذا رسانی کے لیے ایک وفد بھیجا۔ جس کا حضرت مسیح علیہ السلام کو علم ہوگیا تو آپ سابق ایلیاہ نبی کی طرح اپنے دشمن ساؤل سے ملنے کے لیے باہر آگئے۔ یہ آپ کی ذاتی حیران کن قوتِ قدسیہ کا ثبوت ہے کہ آپ نے ایذا رسانی کے لیے آنے والے دشمن ساؤل کو اپنے ایک شاگرد (پولوس) میں تبدیل کر دیا۔

غالباً یہ ملاقات اننی آس کے گھر میں کچھ دن ہوتی رہی یا وہاں ملاقات ہوتی رہی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہتے تھے۔ اس وفد کی آمد نے حضرت مسیح علیہ السلام پر ظاہر کر دیا کہ اب آپ کا زیادہ عرصہ دمشق میں رہنا خطرہ سے خالی نہیں اور وہ مشرق کی راہ بابل کو روانہ ہوگئے۔ [1]

جوزیفس اپنی کتاب کی جلد ۲ کے صفحہ ۳۲۴ پر نصیبین میں ایک یہودی جماعت کے موجود ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> "اب یہودیوں کی ساری قوم بابلیوں اور سیلاشیوں دونوں سے ڈر محسوس کر رہی تھی۔ کیونکہ تمام شامی لوگ جو ان جگہوں میں رہتے تھے۔ سیلوشیوں کے ساتھ مل کر یہود سے جنگ کرنے کے لیے متحد ہوگئے تھے اور اس وجہ سے یہودیوں میں سے بہت سے لوگ اکٹھے ہو کر نارد ہ اور نصیبین میں چلے گئے ہوتے تھے اور انہوں نے یہاں پر بابلیوں اور سیلاشیوں سے حفاظت حاصل کر رکھی تھی اور ان لوگوں سے بھی حفاظت حاصل کر رکھی تھی جو خود یہاں رہتے تھے اور جنگجو آدمی تھے۔"

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کے گیارھویں اور چودھویں ایڈیشن میں مذکور ہے:-

1 Doker, Ernest Brougham, District Court Judge, Sydney. *If Jesus did not Die upon the Cross*, pp. 75-6.

The Works of Flavius Josephus, Whiston's translation with notes by Sir C.W. Wilson, London. 1887.

نِس لبِس جو شامی زبان میں نصیبینا ہے اور جو اب نے زِب (NEZIB) نصیبن (NASIBIN) کہلاتا ہے یہ میسوپوٹیمیا کے شمال میں ایک قدیم شہر اور چھوٹا سا قلعہ ہے یہ مگدونین (آجکل جاگ جاگہ JAGH JAGHE) کے مقام کے قریب ہے، جہاں سے یہ ایک تنگ گھاٹی کے ذریعہ پہاڑ سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس کی آبادی چار ہزار ہے جن میں اکثریت یہودیوں کی ہے۔

فارس کا شاہ سائرس (خورس) یہودیوں کے نزدیک نہایت قابل عزت تھا، کیونکہ اس نے اسرائیلیوں کو ان کی قید سے نجات دلائی تھی اور ان میں سے بعض کو دوبارہ یہودیہ کے علاقہ میں آباد کیا تھا، تاہم ان کی ایک بڑی تعداد ایران میں رہائش پذیر رہی لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے یہ طبعی امر تھا کہ آپ ایران میں سفر کرتے تاکہ یہودیوں کی اس ملک میں نو آبادیوں کو اپنا پیغام پہنچائیں۔

مشرق کی طرف اثنائے سفر میں حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام ہرات سے گزرے جو افغانستان کی ایران کے ساتھ متصل سرحد کے نزدیک ایک شہر ہے، وہاں کے اردگرد رہنے والی ایک جماعت کے مختصر حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے متبعین ہیں۔ کتاب "درویشوں کے درمیان" (AMONG THE DERRISHES) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"عیسیٰ بن مریم (یسوع مریم کے بیٹے) کے متبعین جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور جو افغانستان کے مغربی علاقہ میں کئی دیہات میں جو اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے ہیں، رہائش پذیر ہیں، ان دیہات کا مرکز ہرات ہے، میں نے یہاں کے لوگوں کے متعلق کئی دفعہ سنا تھا، لیکن میں خیال کرتا رہا کہ غالباً یہ وہ لوگ ہیں جو مشرقی ایشیا سے یورپین مشنریوں کے ذریعہ مسیحیت میں داخل ہوتے تھے، یا یہ لوگ اس وقت سے پہلے کی یادگار ہیں جبکہ عربوں نے فارس کو ساتویں یا آٹھویں صدی میں فتح کیا تھا جبکہ ہرات میں نسطورین بشپوں کا طریق جاری تھا، لیکن ان کے اپنے بیانات سے یا جو کچھ میں نے

دیکھا ہے اس سے ان کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی بہت پرانے سرچشمہ سے وجود پذیر ہوئے تھے ...... یہاں پر تقریباً ایک ہزار ایسے مسیحی موجود ہیں، ان کا سربراہ آبا یحییٰ (فادر جان) ہے جو حضرت عیسیٰ بن مریم ناصری کشمیری تک ساتھ نسلوں کے ایک دوسرے کے جانشین معلّمین کا سلسلہ وار نام بیان کر سکتا ہے۔

ان لوگوں کے نزدیک یسوع مسیح صلیب سے بچ نکلے تھے، ان کے دوستوں نے انہیں چھپا دیا تھا اور ہندوستان کی طرف ہجرت میں مدد دی تھی اور وہ کشمیر میں جا کر رہائش پذیر ہو گئے تھے جہاں ان کا نام بطور ایک قدیم مصلح یوز آصف کے عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے، یہ لوگ مسیح کی مفروض زندگی کے وقت سے پیغام حاصل کرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔

میں نے آبا یحییٰ سے کئی دفعہ گفتگو کی ہے گو طبعاً اگر اس کی یہ کہانی سچی ہو تو عیسائی عقائد کے متعلق جیسا کہ آج ہم جانتے ہیں بعض نقاط کو وہ پہنچاں سکتا تھا۔

آبا کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا، تمام عیسائیوں کی طرح یہ کہتا تھا کہ ان کے استاد نے یہ قرار دیا تھا کہ اس کے متبعین کو ہمیشہ دنیا میں کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرنا چاہیئے یسوع مسیح ان لوگوں کے نزدیک خود ایک نجار اور گڈریا تھا۔

"احادیث المسیح" اس جماعت کی مقدس کتاب ہے وہ نئے عہد نامہ پر یقین نہیں رکھتے اور مزید براں کہتے ہیں کہ یہی "احادیث المسیح" نیا عہد نامہ ہے ان کے نزدیک ان اناجیل کا جو ہم لوگ رکھتے ہیں۔ صرف ایک حصہ سچا ہے لیکن عام طور پر یہ ان لوگوں نے لکھی ہیں جنہوں نے اپنے آقا (مسیح) کی تعلیم کو سمجھا نہیں۔

آبا یحییٰ ایک بلند قامت شخصیت ہے اور چہرہ سے ایک ولی اللہ معلوم ہوتا ہے یہ یقیناً ایک عالم فاضل آدمی ہے اور اپنی مذہبی کتابوں سے واقف ہے اور اس کے ساتھ یہودیوں کی تحریروں سے بھی یقیناً خوب اچھی طرح واقف ہے اس نے ملحدین کی تحریروں کی بابت بھی سنا ہوا ہے وہ انہیں ملحدین ہی کہتا ہے جنہیں ہم مسیحیوں کے مختلف معلوم فرقے قرار دیتے ہیں وہ اپنے آپ کو ان کا حصہ دار قرار دینا نہیں چاہتا۔

وہ اپنی ملائم فارسی زبان میں مجھے کہنے لگا، میرے بیٹے ! یہ لوگ اس کہانی کا ایک حصّہ پڑھتے اور اسے دہراتے ہیں۔ اُنھوں نے (یسوع مسیح کے) پیغام کو غلط سمجھا ہے، ہم جو کہانی بتاتے ہیں، وہ ہمیں خود استاد نے بتائی تھی اور اس کے ذریعہ ہم بچائے جائیں گے اور کامل ہوں گے۔

کچھ حالات اس کتاب میں جسے تم بائیبل کہتے ہو درست ہیں، لیکن ان کی بہت بڑی مقدار مصنوعی اور خیالی ہے، یا کسی معقول وجہ کے بغیر ہے جو مواد آپ لوگوں کے پاس ہے اس کے مکمل ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ ۸۰ سال سے بھی زیادہ عرصہ زندہ رہے اور اس میں سے جو کچھ سچی بات تھی وہ انہوں نے ہمیں خود بتا دی ہوئی تھی۔

مختصر طور پر ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا تھا کیونکہ اس نے یہ مرتبہ نیکی اور قربانی کے ذریعہ حاصل کیا تھا، اس طرح وہ ایک روحانی آدمی کے مساوی تھا وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کے بعد مبعوث ہوا، یوحنا خود بھی روحانی ترقی کے اس اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا تھا جو اس وقت حاصل ہو سکتا تھا، یوحنا پانی سے بپتسمہ دیتا تھا اور یسوع روح اور آگ سے اس وقت علم کے تین مدارج تھے جو ہم مسیحیوں کے ذریعہ سکھلائے جاتے تھے۔۔۔۔۔۔ گو ان لوگوں کو بالکل ملحدین خیال کرنا ممکن ہے لیکن میں ان کی پاکیزگی اور ان کے یقین رکھنے کے جذبات ان کی سادگی ان میں ناخوشگوار قسم کے جوش کی کمی سے جو اکثر اقلیتوں میں دیکھنے میں آتا ہے خصوصیت سے متاثر ہوا یہ لوگ اس بات پر بھی پختہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ زمانہ آئے گا جبکہ یسوع کے متعلق دنیا سچائی کو جان لے گی اور جب یہ امر وقوع میں آجائے گا تو اس وقت مسیح کے ان متبعین کا یہ مشن ہوگا کہ وہ کھل کر سامنے آئیں اور ان لوگوں کو اس راہ کی تعلیم دیں جو مسیح پر ایمان لانا چاہتے ہیں، جس راہ کے ذریعہ سے کوئی مرد یا عورت خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے ۳

افغان کون ہیں؟

افغانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ بعض بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی نسل ہیں اور اس بارہ میں ان کے درمیان ایک قوی روایت موجود ہے یقیناً ان کے خدوخال بھی اور اسی طرح ان قبائل کے نام بھی ان کے اس دعویٰ کے مؤید ہیں، مثال کے طور پر موسیٰ خیل (موسیٰ کا قبیلہ) یوسف زئی (یوسف کا قبیلہ) داؤد خیل (داؤد کا قبیلہ) اور سلیمان زئی (سلیمان کا قبیلہ) ان کے پہاڑوں کی ایک چوٹی کوہ سلیمان (سلیمان کا

3 *Among the Dervishes* by O. M. Burke. The Octagon Press Ltd, London.

پہاڑ) کہلاتی ہے، ملک کے دارالسلطنت کا نام کابل ہے اور یہ اسی نام کے ایک دریا پر واقع ہے اور یہ نام صاف طور پر (سلاطین ۹ : ۱۳) کے کابل (CABUL) کی یاد دہانی ہے۔ یہ بائبل کے ناموں کی صرف ایک ہی مثال افغانستان میں مستعمل نہیں بلکہ اس کی اور بھی مثالیں ہیں، مثلاً دریائے سندھ پر ایک قصبہ ہے جو زیدہ کہلاتا ہے جو قاضیوں کی کتاب (۱۸ : ۲۸) کے زیدان کو یاد دلاتا ہے اور ہزارہ بھی ہے جو کتاب گنتی ۱۱ : ۳۵) حضروہ کی یاد دلاتا ہے۔ بلا ریب اگر مکمل تحقیقات کی جائے تو اور بھی اس قسم کی کئی مثالیں مل جائیں گی۔

قبائلی ناموں یا خدوخال میں گہری مشابہت اور رہنے والی جگہوں کے ناموں میں گہری مشابہت اسباط کی ایک زبردست علامت ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے یہ نام اپنے قبائل کے لیے اختیار کئے تھے یا ایسے نام اپنے شہروں اور قصبات کے رکھے تھے وہ اپنے ماضی کے تعلقات کو ظاہر کرنے کے لیے بطور آبائی وطن کی یادگار کے تھے۔۔

سر ہنری ییل (HENRY YALE-K.C.S.I.) لکھتے ہیں:

"افغان مورخین اپنے آدمیوں کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ شاہ ساؤل کی نسل سے اس کے ایک بیٹے سے منسوب ہیں جو یرمیاہ کہلاتا تھا۔ یرمیاہ کا ایک بیٹا افغانہ کہلاتا تھا، افغانہ کی بہت بڑی تعداد بنوکدنظر (بخت نصر) بادشاہ کے ذریعہ جلاوطن کر دی گئی تھی اور وہ غور اور فیروزہ کے پہاڑوں میں، جو ہرات کے مشرق اور شمال میں ہیں، آکر آباد ہو گئی۔"

افغان اپنی ایک روایت کے مطابق یقین رکھتے ہیں کہ وہ یہود کی اولاد ہیں، افغانوں کی ایک تاریخ کی کتاب جو سولھویں صدی کی لکھی ہوئی ہے اس کا ترجمہ حال ہی میں فارسی زبان سے انگریزی زبان میں شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے کہ یہ ایرمن کے بیٹے افغان کی نسل ہیں، یہ ایرمن بنی اسرائیل کے بادشاہ ساؤل کا بیٹا تھا، جس کی نسل قید کے زمانہ میں فاتح کے ذریعہ غور، کابل قندھار اور غزنی کے پہاڑوں کی طرف دھکیل کر آباد کر دی گئی، انہوں نے اپنے مذہب کی تقدیس کو اسلام قبول کرنے تک قائم رکھا۔ ۴

4 *Historical and descriptive account of Persia and Afghanistan* by James B Frazer, p. 298; New York.

خراسان کے افغانہ کے ساتھ اپنی بہت سی گفتگو سے مجھے معلوم ہوا کہ ان میں سے کچھ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ دراصل بنی اسرائیل کی اولاد ہیں۔ ۵؎

اس دلچسپ قیام کے بعد میں نے بادشاہ سے پاسپورٹ حاصل کیا۔ دریائے آکسس (OXUS) کو پار کیا اور چند دن کے بعد بلخ پہنچا اور اس شہر سے جہاں میں نے منتشر شدہ اسرائیل سے گفتگو کی مزوبر (MUZAUR) کو روانہ ہوگیا۔ ۶؎

بعض افغانوں نے دعویٰ کیا کہ وہ بنی اسرائیل کی اولاد ہیں، ان کے نزدیک افغانہ آصف کا بھتیجا تھا، جو اس برخیاہ (BERACHAI) کا بیٹا تھا، جس نے ہیکل سلیمان تعمیر کیا تھا، اس افغان کی نسل یہودی ہونے کی وجہ سے شاہ بابل بنوکدنفر (بخت نصر) کے ذریعہ بابل میں لائی گئی اور وہاں سے یہ غور کے ان پہاڑوں کی طرف منتقل کر دی گئی جو افغانستان میں واقع ہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ مسلمان ہوگئے۔ یہاں سے میں پشاور گیا یہاں بھی مجھے افغانوں کی اصلیت کے متعلق ایک پشتو زبان میں کتاب "افغان ایہن لوٹ" (AFFGHAN IEHANN LOOTE) سنائی گئی۔ اس کتاب کا بیان اس کے مطابق ہے جو تیمور نامہ کے مسودہ اور کتاب "انساب محقق طوسی" میں ہے، میں نے خیال کیا کہ عام قیافہ شناسی کے رو سے یہ یہودی نہیں، لیکن مجھے یوسف زئی اور خالب باری قبیلوں کی یہود سے حیران کن مشابہت کا شدید احساس ہوا۔

کافر سیاہ پوش اگر افغان ہیں تو وہ وسیع طور پر باقی قوم سے مختلف ہیں ۷؎

میں ہمیشہ خیال کرتا رہا کہ کافر سیاہ پوش اسرائیل کی اولاد ہیں اور سمرقند کے بعض عالم یہودی بھی میری رائے سے متفق ہیں ۸؎

میں نے چھ دن راجاب کی اولاد (بنی ارباب) کے ساتھ گزارے ان کے ساتھ دان (DAN) قبیلہ کے ہی اسرائیل بھی تھے جو ہترامال (HATRAMAWL) میں ٹرم (TERIM)

5. [illegible] Mission to Bokhara in the years [illegible] by Rev. Joseph Wolff, D.D. [illegible] Published by John W. Parker, West Strand, London, 1835, Vol. I, p. [illegible]

6. Ibid, p. 16. 7. Ibid, p. 17. 8. Ibid, p. [illegible]

کے قریب بود وباش رکھتے ہیں۔ یہ بنی رچاب کے ساتھ مسیح کے آسمانی بادلوں میں جلد آنے کے منتظر ہیں۔ ۹؎

ان لوگوں کی روایات اس زمانہ میں ان کا شام کے ملک سے بود وباش کا تعلق ظاہر کرتی ہیں، جبکہ بنوکد (بخت نصر) نے انہیں قید کرکے فارس اور میدہ کے مختلف علاقوں میں بطور آباد کار بسایا۔ پھر آئندہ کسی وقت وہ ان مقامات سے مشرق کی طرف غور کے پہاڑوں میں ہجرت کر گئے، یہاں رہنے والے ہمسائے انہیں بنی افغان یا بنی اسرائیل کہتے تھے، اسی کے مطابق ہم عزرا نبی کی شہادت پاتے ہیں جو یہ بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل کے دس قبائل جو قید کر لیے گئے انہوں نے بعد میں کسی وقت بھاگ کر آرزرتھ (ARSARETH) کے ملک میں پناہ لی جو آجکل کے ہزارہ کے علاقہ کے نام سے ملتا جلتا ہے جس کا ایک حصہ غور کا علاقہ بھی ہے۔

"طبقات ناصری" میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں کے مقامی باشندوں شان صابی کے کے زمانہ میں ایک قوم آباد تھی جو اس ملک میں اسرائیلی کہلاتی تھی اور ان میں سے کچھ اردگرد کے ملکوں سے تجارت کا وسیع کاروبار کرتے تھے ۱۰؎

ہماری توجہ ایک نہایت اہم ملک یعنی افغانستان اور اس کے ملحقہ علاقوں کی طرف پھرتی ہے اور یہ ہمارے لیے زیادہ دلچسپ ہے کہ ہم وہاں ایک ایسی قوم پاتے ہیں جو اپنا بنی اسرائیل ہونا یا دس قبائل کی اولاد ہونا ظاہر کرتی ہے ۱۱؎

غور کرنے کے لیے اس بات کے واضح دلائل کہ بخارا اور افغانستان میں رہنے والے لوگوں کے بعض گروہ اصل کے لحاظ سے اسرائیلی ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

اوّل: ان کی شکل وصورت عبرانیوں کے کنبے سے ملتی ہے، چنانچہ ڈاکٹر وولف یہود کا مبلغ کہتا ہے:۔

"میں یوسف زئی اور خیبری قبیلہ کی یہود سے مشابہت سے حیران رہ گیا

9. Ibid, p. 58.

10. The Races of Afghanistan by H. W. Bellew, Thacker Spink & Co., Calcutta, 1884.

11. The Lost Tribes by George Moore, M.D., London, [illegible] pp. 14[illegible]

مورکرافٹ (MORCRAFT) بھی خیبریوں کے متعلق کہتا ہے یہ لوگ لمبے قد کے ہیں اور ان کی شکل و شباہت مخصوص طور پر یہودیوں کی ہے۔"

دوم: یہ لوگ زمانہ قدیم سے اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔

سوم: ان کے قبیلوں کے نام بھی اسرائیلی قبیلوں کے ناموں کی طرح ہیں بالخصوص یوسف قبیلہ کا نام۔

چہارم: افغانستان میں جگہوں اور آدمیوں کے نام بڑی کثرت کے ساتھ عبرانی ہیں۔ ان ناموں کے رکھنے کو ان کے مسلمانوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ نام حقیقت میں ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کے موجود ہیں۔

پنجم: تمام تاریخی بیانات اس امر پر متفق ہیں کہ وہ قدیم سے قدیم تر زمانہ سے غور کے علاقہ میں رہتے چلے آتے ہیں، یہ یقینی بات ہے کہ غور کے شاہزادگان افغانوں کے سوری قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا خاندان بہت قدیم زمانہ کا ہے۔ یہ گیارھویں صدی میں بھی موجود تھا۔

ششم: افغان کا نام ان کی قوم کو دوسرے لوگوں نے دیا ہے جو نام یہ خود اپنی قوم کو دیتے ہیں وہ پشتون ہے۔ ڈاکٹر گرے (GAREY) اور ڈاکٹر مرشمان (MARSHMAN) بیان کرتے ہیں کہ پشتون زبان میں دوسری زبانوں کی نسبت عبرانی الفاظ بہت سے ہیں۔[12]

کابل یا کابول کے ملک کی قدامت اسی زمانہ سے ہے اور یہ بھی ظاہر کیا جا چکا ہے کہ کچھ مخصوص لوگ جو قبائلی یا معزز قبائلی کہلاتے ہیں، بہت قدیم زمانہ سے یہاں بود و باش رکھتے ہیں، لہٰذا اسبات کی قوی شہادت موجود ہے کہ کابل کے موجودہ باشندے اس بیان میں حق بجانب ہیں کہ تاریخ کے ابتدائی زمانہ سے انکے آباؤ اجداد نے کابل پر قبضہ کیا تھا۔ اور نہایت ہی قدیم زمانہ سے وہ قبائلی مشہور ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسرائیلی قبائل ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنے آپ کو

12. Ibid., p. 145.

اب خیال کرتے ہیں۔

سر ڈبلیو جونز (SIR W. JONES) کے مطابق مغربی فارس کے مؤرخین ان لوگوں کے ساتھ ان کے نسب کی اصلیت کے بارہ میں متفق ہیں اور اسی طرح وہاں کے رہنے والے اور قابلیت رکھنے والے مؤرخین جیسے سر جان میلکم (SIR JHON MALCOLM) اور مشنری مسٹر چیمبرلین (MR. CHAMBERLAIN) نے پوری تحقیقات کے بعد ہمیں یقین دلایا ہے کہ بہت سے افغان بلا ریب ابراہیم کی نسل سے ہیں۔[13]

نادر شاہ ہندوستان کی فتح کے لیے کوچ کر کے پشاور آیا تو یوسف زئی قبیلہ کے سربراہ نے اسے عبرانی زبان میں لکھی ہوئی بائیبل پیش کی۔ اس کے علاوہ کچھ اور اشیاء پیش کیں جو ان کے پرانے طریق عبادت میں استعمال کی جاتی تھیں جن کو انہوں نے محفوظ رکھا ہوا تھا، ان اشیاء کو فوراً ان یہودیوں نے پہچان لیا جو کیمپ کے ساتھ آ رہے تھے۔[14]

حالیہ تحقیقات نے مؤرخین کو تھوڑے دن ہوئے یقینی شہادت بہم پہنچا دی ہے کہ افغان گمشدہ قبائل کی اولاد ہیں۔[15]

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ ان امور کے بارہ میں کوئی شک کی گنجائش نہیں، کہ اسرائیل کے گمشدہ قبائل میں سے کچھ قبائل صلیبی واقعہ سے کافی عرصہ پہلے افغانستان کے مختلف حصوں میں آباد ہو چکے تھے اور یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان سے ملاقات کی تھی اور انہیں تبلیغ کی تھی اور ان لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول کیا تھا، بالآخر افغانستان سے گزر کر حضرت مسیح علیہ السلام ہندوستان میں آئے اور کشمیر میں رہائش اختیار کر لی، پنڈت جواہر لال نہرو سابق وزیر اعظم ہندوستان نے جو خود ایک کشمیری برہمن تھے اور کشمیر سے بے حد محبت

1[illegible] ... Afghans by L. P. Ferries, John Murray ... 1858.

[illegible] ...es and Times of Jesus The Messiah, by Dr. Alfred E. Edersheim, p. 15.

رکھتے تھے اپنی کتاب دی گلمپسز آف ورلڈ ہسٹری (GLIMPSES OF WORLD HISTORY) میں لکھا ہے :۔

> تمام سنٹرل ایشیا، کشمیر، لداخ اور تبت اور شمال کے دور تر علاقہ میں ابھی تک یہ عقیدہ مضبوطی سے قائم ہے کہ یسوع یا عیسیٰ نے یہاں کا سفر کیا ہے اندرونی شہادت کے لحاظ سے یسوع مسیح کے لیے ایسا کرنا ناممکنات میں نہیں ہے۔[16]

یہ حقیقت کئی وجوہ سے ثابت ہے کہ وادیٔ کشمیر کے اصل باشندے ہر اس شخص کو جو کشمیر دیکھنے جاتے فوری طور پر یہ تاثر دیتے ہیں کہ بلاریب ان لوگوں کے خدوخال یہودیوں کے سے ہیں۔ ان میں بہت سوں کے ذاتی نام اور کئی مقامات کے نام یہودی اصلیت کے حامل ہیں، ان کے ذاتی نام بالعموم لفظ "جو" پر ختم ہوتے ہیں۔

کشمیر کے صوبوں میں سے بلند پہاڑوں والا نسبتاً بنجر صوبہ گلگت کہلاتا ہے، جو متی ۲۷ : ۳۳ کے گو لگتھ کی یادگار ہے۔ جس لداخ کے قریب ایک گاؤں ہے جو اس ہیمتھ (حمات) (HOMATH) کی یادگار ہے، جس کا ذکر گنتی ۱۳ : ۲۱ آیت میں ہے اور خود لداخ بھی لداخ کے ذریعہ پہنچا نا جا سکتا ہے جس کا ذکر تواریخ ۴ : ۲۱ میں پایا جاتا ہے۔

اس بات کا امکان ہے کہ یسوع مسیح علیہ السلام تبت میں آئے تھے۔ یہ تبت اس تبتھ (TIBBATH) سے یکسانیت رکھتا ہے جس کا ذکر تواریخ ۱۸ : ۸ میں ہے اور لیھ اس لیھی سے تقریباً یکساں ہے جس کا ذکر قاضیوں ۱۵ : ۹ آتا ہے۔ فرانسوس برنیز اپنی کتاب ٹر یولیز ان دی مغل ایمپائر میں لکھتے ہیں۔

> پیر پنجال پہاڑ سے گزر کر جب میں کشمیر کی سلطنت میں داخل ہوا تو سرحدی دیہات کے باشندے مجھے یہودیوں سے مشابہ نظر آئے ان کے

16. *Glimpses of World History* by Jawaharlal Nehro 2nd Ed., Bombay, 1962.

> چہرے اور ان کے (رہنے سہنے) کے طریقے اور بعض اور ناقابل ذکر مخصوص اطوار سے جو ایک سفر کنندہ کو اس قابل بنا دیتے ہیں کہ وہ مختلف ملکوں کے باشندوں کے درمیان امتیاز کر سکے۔ یہ لوگ ان پرانے لوگوں کی طرح معلوم ہوتے تھے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے آپ محض ایک وہم سے منسوب نہیں کر سکتے ان دیہاتیوں کے یہودیانہ خدوخال کی نشاندھی ہمارے یوسیٹ فرقہ کے آباء اور کئی دوسرے یورپین میرے کشمیر کو دیکھنے بہت عرصہ پہلے کر چکے ہوتے ہیں۔[17]

سر فرانسس ینگ ہزبینڈ لکھتے ہیں:

> ایسا زائر جو ذہن میں حسن کا ایک عام معیار رکھتا ہے جب (کشمیر) کے دریاؤں، سڑکوں اور گلیوں میں سے گزرتا ہے تو وہ نہ ایک نہ دو بلکہ بہت سی ایسی عورتیں دیکھے گا جن کے ابرو نہایت خوبصورت اور ان کے چہرے عام یہودیوں جیسے ہیں۔[18]

کشمیر کے مسلمانوں میں یہود کے اور دلچسپ نمونے آپ کو دامن کوہ کے چھوٹے نہایت خوبصورت دیہات میں ملتے ہیں یہاں قدیم اسرائیلی مشائخ کے نمونے نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم قدیم زمانہ کے اسرائیلی بہادروں کی تصویر بناتے ہیں۔[19]

یہاں کے لوگ شکل وصورت میں فیصلہ کن یہودیانہ بناوٹ رکھتے ہیں تو ساتھ ہی یہ عجیب بات بھی نظر آتی ہے کہ ان میں اسرائیلی ہونے کا نظریہ بھی موجود ہے اور جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یقیناً یہاں کشمیر میں ہر جگہ بائبل کے زمانہ کی طرح کے لوگوں کے نمونے بھی

17. *Travels in the Mughul Empire* by Francois Bernier, translated by Archibald Constable, 1891. Oxford University Press, 1919, p. 413..

18. Sir Francis Younghusband, *Kashmir*, Adam and Charles Black, London. 1911, p. 125.

19. Ibid., p. 129.

دیکھے جا سکتے ہیں، بالخصوص اوپر کے علاقہ کے دیہات میں بہت سے اسرائیلی نمونہ کے گڈریے اپنے گلوں اور ریوڑوں کو چراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔[20]

جارج فارسٹر لکھتے ہیں:۔

کشمیریوں کو پہلی دفعہ ہی ان کے ملک میں دیکھنے کے بعد میں نے ان کے پیراہن اور لمبے چہرے کی بناوٹ اور ان کی سنجیدگی طبع اور داڑھی کی وضع سے خیال کیا کہ میں یہودیوں کی قوم میں آ گیا ہوں۔[21]

جان نوئل لکھتے ہیں:

کشمیری خوبصورت اور چوڑے کندھوں والے دیہاتی بہت مضبوط ہیں، تاہم وہ نرم طبع اور آسانی سے بات مان لینے والے واقع ہوتے ہیں۔ ان میں ایک بات آپ کو اس کا شدید ترین تاثر دے گی کہ وہ موجود یہودیوں کی بہ نسبت زیادہ مکمل یہودی دکھائی دیتے ہیں۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ چغہ کی طرح کا لمبا پیراہن پہنتے ہیں جو بائبل کے وقت یہودیوں کے لباس کے مطابق ہے بلکہ ان کے چہرے بھی یہودیوں کی سی بناوٹ رکھتے ہیں، ایک عجیب مطابقت اگر اسے مطابقت کہہ سکیں یہ بھی ہے کہ ایک قومی روایت کشمیر میں ان کے یہودیوں کے ساتھ تعلق رکھنے کے بارہ میں بھی موجود ہے کیونکہ کئی سالوں کے لیے یہاں افواہ گردش میں رہی ہے کہ مسیح (علیہ السلام) نے درحقیقت صلیب پر وفات نہیں پائی تھی، بلکہ وہ صلیب سے اتار لیے گئے تھے اور پھر وہ اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تلاش کے لیے (یروشلم سے) غائب ہو گئے اور کشمیر لداخ اور چھوٹی تبت میں جا پہنچے اور پھر وفات پا کر سرینگر میں دفن ہوئے۔ کشمیری کہانی جو مجھے

20. Ibid., p. 130.
21. George Forster, *Letters on a journey from Bengal to England*, Vol II, R. Faulder, London 1808, p. 0.

بتائی گئی اس میں ایک نبی کا ذکر ہے جو یہاں رہا اور اس نے اسی طرح تعلیم دی جس طرح یسوع مسیح تمثیلوں میں چھوٹی کہانیوں کے ذریعہ تعلیم دیتے تھے۔ یہ کہانیاں کشمیر میں آج تک دہرائی جاتی ہیں حالیہ سالوں میں کئی سیاح بھی اس کہانی کی نشان دہی پر جو یسوع مسیح کے ان کے علاقوں میں رہنے کے متعلق ہے یہاں آتے ہیں۔[22]

ہاک جیمس ریورنڈ ہسٹری آف کرسچینیٹی ان انڈیا میں لکھتے ہیں:۔

یہاں ایک پرانی روایت موجود ہے کہ وہ یہودی جو شہکال مینیسر (SCALMANESER) کے ذریعہ قیدی بنا لیے گئے اگر کشمیر میں قیام پذیر ہو گئے اور اس ملک کے لوگ ان ہی یہودیوں کی نسل ہیں۔ اگرچہ یہیں کشمیر میں یہودیوں کے مذہب کے آثار نہیں ملتے کیونکہ یہاں کے لوگ یا تو مشرک ہیں یا مسلمان ہیں، مگر یہ بات یقینی ہے کہ کچھ کھوج ایسی نسل کے ملتے ہیں جو بنی اسرائیل کی اولاد ہے موجودہ باشندوں کا چہرہ مہرہ ایسا دکھائی دیتا ہے جو یہودیوں سے مخصوص ہے اور جو انہیں دوسرے تمام لوگوں سے امتیاز دیتا ہے، موسیٰ نام وہاں عام طور پر رکھا جاتا ہے اور بہت پرانی یادگاریں ابھی تک وہاں دیکھی جا سکتی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کی نسل ہیں۔[23]

جانسٹن، ڈاکٹر اے کیتھ لکھتے ہیں:۔

کشمیر کے مقامی باشندے لمبے مضبوط اور فربہ جسم والے ہیں ان کے خدوخال مردانہ، عورتیں بھرپور جسامت والی اور خوبصورت ہیں۔ ان لوگوں کی ناک کی بناوٹ ابھری ہوئی خمدار ہے اور ان کے دیگر خدوخال بھی یہودیوں جیسے ہیں۔[24]

22. John Noel, 'The Heavenly High Snow Peaks of Kashmir', *Asia Magazine*, Oct. 1930.
23. Hough, James Rev., *The History of Christianity* [in] *India*, Vol. 2, p. 288.
24. Johnston, Dr. A. Keith. *Dictionary of Geography*, London, 1867, under Kashmir.

سنسکرت کی کتاب "بھوشیہ مہاران" میں جو دیاس سے منسوب ہے یہ ۳۱۹۱ء کو بکا مطابق ۱۱۵ء میں لکھی گئی۔ اس میں لکھا ہے سُوتا اداچ نے بیان کیا کہ تقریباً ۷۸ء میں راجہ سالواہن ہمالیہ پہاڑ کی ایک چوٹی پر گیا، وہاں ہن دیش میں اس عظیم راجہ نے پہاڑ پر ایک سفید رو معزز شخص کو بیٹھے دیکھا، جو سفید لباس پہنے ہوئے تھا، راجہ سالواہن نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ اس شخص نے خوشی سے جواب دیا مجھے خدا کا بیٹا جانو جو ایک کنواری کے ہاں پیدا ہوا۔ میں ملیچھ مذہب کا پرچارک ہوں اور سچائی کے اصولوں پر چلنے والا ہوں۔ یہ سنکر مہاراجہ نے پوچھا، تمہارا مذہب کیا ہے۔ اس شخص نے جواب دیا۔ اے مہاراج سچائی کے گم ہوجانے اور روایات (مریادہ) کے برباد ہوجانے کے بعد میں ملیچھیوں کی سرزمین میں بطور مسیح ظاہر ہوا۔ میرے کام سے مجرموں اور شریروں کو تکلیف ہوئی اور میں نے ان کے ہاتھوں اذیت پائی۔ جب راجہ نے اس شخص کے مذہب کے متعلق مزید وضاحت چاہی تو اس نے کہا میرا مذہب محبت سچائی اور دل کی پاکیزگی ہے اور اسی لیے میں مسیح کہلاتا ہوں۔ اس پر راجہ اسے آداب بجا لاکر واپس چلا گیا۔[25]

سب سے بڑی شہادت حضرت مسیح علیہ السلام کی کشمیر میں زندگی اور طبعی وفات کے متعلق ان کی قبر ہے جو شہر سرینگر کے محلہ خانیار میں شہزادہ نبی یوز (یا یوس) آسف کے نام سے معروف ہے اس مقبرہ کے موجودہ متولی کے پاس ایک تولیت نامہ موجود ہے جو اس کے آباء میں سے رحمان میر ولد بہادر میر کو ملا تھا جس پر سرینگر کے پانچ مفتیوں (قاضیوں) کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔ یہ فیصلہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۱۸۴ھ اے۔ این مطابق ۱۷۶۶ء کو لکھا گیا اس تولیت نامہ سے ظاہر ہے کہ یوز آسف نبی کے مقبرہ کی سب چھوٹے بڑے لوگ زیارت کرتے ہیں، شرفا بھی وزراء بھی اور بادشاہاں بھی اور اعلیٰ عہدہ دار اور عام مخلوق بھی۔ جو مختلف اطراف سے آکر زیارت کرتے ہیں اور نذرانے دیتے ہیں۔ یہ تولیت نامہ مزید یہ امر بھی ظاہر کرتا ہے کہ راجہ گوپا دتا کے عہد میں یوز آسف کشمیر میں آیا، یہاں رہا،

25. Bhavishya Maha Purana, *Bombay* 1959, pp. 465–6, verses 17 - 32.

یہاں تبلیغ کی اور اس وادی میں وفات پاکر سرینگر کے محلہ خانیار میں مدفون ہوئے۔[26]

ملا نادری نے جو کشمیر کا مسلمان مؤرخ ہے جس نے فارسی زبان میں تاریخ لکھی۔ لکھتے ہیں:

"یوز آسف از بیت المقدس بوادیٔ اقدس مرفوع شدہ دعوی پیغمبری کرد" یعنی یوز آسف نے بیت المقدس سے وادی اقدس میں مرفوع ہوکر پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس زمانہ میں سلیمان فارسی تخت سلیمان کے اوپر شنکرا چاریہ کے مندر کی مرمت پر مامور کیا گیا۔ تخت سلیمان سرینگر کے قریب پہاڑ کی ایک چوٹی ہے۔ سلیمان فارسی نے اس کی سیڑھی کے ایک پتھر پر کندہ کرایا "دریں وقت یوز آسف دعویٰ پیغمبری مے کند" کہ اس زمانہ میں یوز آسف پیغمبری کا دعویٰ رکھتے تھے، اور سیڑھی کے دوسرے پتھر پر اس نے کندہ کرایا کہ: "ایشاں یسوع پیغمبر بنی اسرائیل است" کہ یہ (یوز آسف) یسوع بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں۔ مزید بیان کیا ہے کہ اس نے ہندوؤں کی ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ یہ نبی درحقیقت حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے انہوں نے ہی یوز آسف کا نام اختیار کیا تھا۔

آپ نے اپنی زندگی اس وادی میں گذاری، وفات کے بعد وہ محلہ انزمرہ خانیار میں آرام فرما ہیں۔[27] (تاریخ کشمیر صفحہ ۶۹)

یہ کندہ الفاظ اب بھی مسخ شدہ صورت میں موجود ہیں، شاہ جہانگیر کے عہد میں جب خواجہ حیدر ملک چادورا نے تاریخ کشمیر لکھی یہ نشان پورے طور پر موجود تھے اور خراب نہیں ہوتے تھے (ملاحظہ ہو تاریخ کشمیر جلد ۳ ورق ۱۱-۱۲-۵۶) نیز تاریخ کشمیر جلد ۲ صفحہ ۷۵ ب (مصنفہ پیرزادہ غلام حسن (۲۹-۲۸) "یسوع نے وفات پائی" کے رسالہ کے

26. *Mysteries of Kashmir* by Mohammad Yasin, Oxford Printcraft, India, New Delhi, pp. 12 - 13.
27. Ibid., pp. 13 - 14.   28. Ibid., pp. 14 - 15.
29. Shams, J. D., *Where Did Jesus Die?* Rabwah, Pakistan.

ٹائیٹل کور کی پشت پر حضرت یوز آسف کی قبر کی ایک فوٹو گراف تصویر ہے جس کے نیچے یہ وضاحت درج ہے۔

"سرینگر کی ممتاز شخصیتوں کی زبانی اور تحریری شہادات کے مطابق اس قبر میں مدفون ایک نبی ہے جس کا نام یوز آسف ہے جو قریباً ۱۹۰۰ سال پہلے کشمیر میں وارد ہوا اور شہزادہ بھی کہلاتا تھا۔"

تاریخ اعظم کشمیر کا مصنف جو دو صد سال پہلے کی تاریخی کتاب ہے اس قبر کے متعلق لکھتا ہے:۔

سید ناصر الدین کی قبر سے ملحق دوسری قبر عام طور پر اس نبی کی قبر معروف ہے جو کشمیر کے باشندوں کی طرف بھیجا گیا تھا اور یہ جگہ نبی کا مزار کہلاتی ہے یہ ایک شہزادہ تھا جو باہر کے ملک سے کشمیر میں آیا تھا، وہ سچائی اور عبادت گذاری میں کامل تھا، وہ خدا کے ذریعہ نبی بنایا گیا تھا اور کشمیریوں کو تعلیم دینے میں لگا رہتا تھا، اس کا نام یوز آسف تھا۔ (صفحہ ۸۲)

یوز آسف کا مفہوم عبرانی زبان میں ہے۔ "یسوع اکٹھا کرنے والا"۔ لہٰذا اس جگہ اسبات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیح نے یہودیہ کا علاقہ چھوڑ دیا اور کچھ وقت دمشق میں گذارنے کے بعد آپ مشرق کی جانب جہاں بنی اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل آباد ہو چکے تھے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے، وہ سفر کرتے ہوئے سولیٹمیا، ایران، افغانستان، ہندوستان، تبت اور کشمیر میں پہنچے۔ آخر میں آپ نے کشمیر میں رہائش اختیار کر لی، جو ایک بلند قرار گاہ ہے جس میں بڑے بڑے چشمے بہہ رہے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو آیت (۲۱-۲۳) وجعلنا ابن مریم وامہ اٰیۃ واٰوینٰھما الٰی ربوۃ ذات قرار ومعین (کہ ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشان بنا دیا اور ہم نے دونوں کو ایسی بلند زمین پر پناہ دی جو آرام دہ اور چشموں والی ہے) مشہور ہے

کہ یہاں وہ بڑھاپے تک رہے آپ نے وادی کشمیر میں وفات پائی اور سرینگر کی محلہ خانیار میں دفن ہوئے، ان کی قبر "روضہ بل" کہلاتی ہے جس کے معنی ہیں مقدس قبر۔

آپ نے اس ملک میں جہاں بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل آباد تھے، مقبولیت حاصل کی اور یہ ایک پر معنی تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں یہودیہ میں یہود کی ذریت میں سے کچھ لوگوں نے حضرت مسیح کا انکار کر دیا تھا وہاں اسلام کے مقدس نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر لیا، جن کی بعثت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب استثناء ۱۸ : ۱۸ کی پیشگوئی پوری ہو گئی اور بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تمام کی تمام ذریت نے جو دیاس پورہ کے ملک میں آباد تھے اسلام کے مقدس نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر لیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ انتباہ جو آپ نے یہودیہ کے یہودیوں کو کیا تھا کہ اگر وہ آپ کا (مسیح کا) انکار کر دیں تو خدا کی بادشاہت ان سے لے لی جائیگی اور ایک اور قوم کو دیدی جائیگی۔ زوردار طریق سے پورا ہو گیا یعنی دیاس پورہ کے یہودی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر لیا تھا وہ اس سزا کے مورد نہ بنے جو اس انتباہ میں یہودیہ کے یہودیوں کے لیے مقرر کی گئی تھی جنہوں نے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کا انکار کر دیا تھا۔ دیاس پورہ کے یہودیوں کی ذریت خدا کی بادشاہت کے افضال کو پاتی رہی اور ان میں بہت سے اپنے ملک میں حاکم رہے اور پھر ان سب کے سب نے خدا کی بادشاہت کے روحانی افضال کو بھی پا لیا جبکہ انہوں نے اسلام کے مقدس نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر لیا۔

تمت بالخیر

صحت نامہ

صفحہ	سطر	صحیح الفاظ
۱۰	۱۸	رحمت بنائیں
۱۴	۴	نقضِ عہد
۲۷	۲۳	آخری نبی تھا
۳۹-۴۰	فٹ نوٹ	حاشیہ از مترجم ہے
۵۷	۷	وجوہ
۶۲	۸	یسوع مسیح ہی جانتا تھا
۶۶	۱۲	پارک امریکن ایروے
۶۷	۱۱	مسیح صلیب پر نہیں مرے
۶۸	۲۳	"اس نے دم دے دیا" دم دینے کیلئے
۶۸	۹	لٹکایا جانا
۶۹	۲	دے دینے کو
۶۹	۱۷	چاہا اس نے اس کی تدبیر کی
۷۱	۸	وقوع میں آتی ہے
۷۳	۱	سانس کے بند ہو جانے کو ماہر آدمی
۷۵	۳	کوچ
۷۸	۱۶	ایک اور طرح
۷۸	۱۸-۱۹	ہمارا خیال ہے کہ ترجمہ کے الفاظ کو ہم خدا تعالیٰ کے الفاظ قرار دینے میں حق بجانب نہیں ہونگے اگر اس کے الفاظ او معنی اصل اناجیل کے متن سے مطابقت نہ رکھتے ہوں